سانپ، اور دیگر بھی زہریلے، جانوروں کے کاٹے ہوئے
اور پرانے مشکل مریضوں کا ہومیوپیتھک علاج

سفید داغ کا 100% علاج

ڈاکٹر سہیل اعظمی
پھول پور، اعظم گڑھ (یوپی) Mob. 09839569496

نوٹ : فالج، لیکوریا اور ہائی بلڈ پریشر کا علاج

''اس شخص سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔'' (قرآن)

سہ روزہ دعوت
نئی دہلی

www.dawatonline.com

ہندی خواں حضرات کیلئے خوشخبری

تفسیر احسن البیان (ہندی)

ترجمہ: مولانا محمد جوناگڑھیؒ ☆ تفسیر: حافظ صلاح الدین یوسف ☆ ہندی ترجمہ: محمد طاہر حنیف
صفحات: 1152 ☆ قیمت مجلد -/350۔ بیش قیمت کاغذ، اعلیٰ طباعت، معیاری جلد بندی،
خوبصورت اور روشن طباعت، ہندوستان میں پہلی مرتبہ یہ سعودی قرآن طبع ہوا ہے۔ زیادہ تعداد
میں منگانے اور مفت تقسیم کرنے والوں کے لئے خصوصی رعایت رابطہ کریں:

Maktaba Al-Faheem — مکتبۃ الفہیم مؤناتھ بھنجن (یوپی)
1st Floor Raihan Market Dhobia Imli Road
Sadar Chowk Maunath Bhanjan (U.P.) 275101
Ph: 0547-2222013 (S) Mob.9889123129/9236761926

● جلد: ۵۷ ● شمارہ: ۳۹ ● ۲۸/اپریل ۲۰۰۹ء ● 28 April 2009 ● سہ شنبہ ● یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ ● قیمت=/Rs.5 ●سعودی عرب اور دیگر خلیجی ملکوں کیلئے ۲ ریال ● Posting: 26 April 2009 Sunday

ایک اہم کانفرنس، میڈیا نے جس کو نظر انداز کیا

سوئٹزر لینڈ کے شہر جنیوا میں پچھلے دنوں ایک اہم بین الاقوامی کانفرنس اہم بلکہ غیر معمولی تھی۔ اس کا ایک پہلو تو یہ تھا کہ یہ اقوام متحدہ کے زیر اہتمام ہوئی تھی اور بالواسطہ نہیں بلکہ براہ راست ادارہ کے سربراہ بان کی مون سمیت دنیا بھر کے سربراہان مملکت اس میں شریک ہوئے تھے، جن کی تعداد سو سے زیادہ تھی۔

اس کی اہمیت کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ اس کے انعقاد کا جہاں دنیا بھر میں خیر مقدم کیا گیا وہیں مغربی حلقوں میں اس کی وجہ سے بے چینی والی ہلچل پیدا کردی، ان کو اس جو نے زبردست بوکھلاہٹ میں مبتلا کردیا اور انہوں نے یہ اعلان کردیا کہ وہ اس کانفرنس کا بائیکاٹ کریں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ قدم انہوں نے کانفرنس کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے میں ناکام ہوجانے کے بعد ہی اٹھایا ہوگا۔ یہ نتیجہ اخذ کرنے کے پیچھے بعض بڑے مضبوط دلائل ہیں۔ ان میں سے ایک دلیل مغربی نامہ نگاروں اور اقوام متحدہ کی سطح پر اس قسم کی کارروائیوں کے مخالفین کے وہ تجزیے ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ مسلم ملکوں نے کس طرح اس کانفرنس کو اپنے حق میں کرلیا بلکہ اس کے اپنے لفظوں میں ایک لیا، دی گارجین میں Simon Tisdall کے ایک تجزیاتی مضمون میں اس سے بحث کی گئی ہے جس کا عنوان West fears Muslim Countries will hijack UN Geneva racism conference ہے۔ یہ جائزہ اخبار مذکور کی ۷/اپریل کی اشاعت میں شائع ہوا ہے، اسی طرح کی ایک دوسری تجزیاتی رپورٹ میں بھی اس پہلو کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ Gary Rosenblatt کے اس مضمون کا عنوان How the UN was "Hijacked" by antiwestern countries ہے۔ اس سے اس کانفرنس کی اہمیت کے ایک اور پہلو پر روشنی پڑتی ہے وہ یہ کہ گویا یہ کانفرنس مغرب مخالف طاقتوں یا ملکوں کے اصرار پر ہوئی۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اس مسئلہ پر ایشیا افریقہ، لاطینی امریکہ کے ملکوں کے درمیان مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ اس مسئلہ پر یورپ اور امریکہ ایک ساتھ ہیں لیکن پورا یورپ یک زبان ہوکر اس کی مخالفت نہیں کررہا ہے کیونکہ فرانس نہ صرف اس میں شریک رہا بلکہ اس نے امریکہ کی جانب سے اس کی مخالفت اور بائیکاٹ کے فیصلے پر سخت نکتہ چینی کی گئی ہے۔

یورپ کے بعض دوسرے ممالک بھی اس میں شریک ہوئے جن چند ملکوں نے پہلے سے اس کانفرنس کے بائیکاٹ کا اعلان کیا تھا ان میں اسرائیل اور امریکہ کے علاوہ آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، کناڈا، جرمن، ہالینڈ، اٹلی، سویڈن اور پولینڈ شامل ہیں۔ ان ملکوں نے اس بنا پر اس کانفرنس کا بائیکاٹ کیا کیوں کہ اس میں اسرائیل کو ایک نسل پرست ریاست قرار دیا گیا ہے۔ گویا دوسرے لفظوں میں انہوں نے اسرائیل کے کاز کی حمایت کا اعلان کیا اور یہ پیغام دیا کہ وہ اسرائیل کے ساتھ ہیں۔ بعض یورپی ملکوں نے کانفرنس کے اجلاس اور کارروائیوں کے بائیکاٹ کا اس وقت اعلان کیا جب ایرانی صدر محمود احمدی نژاد نے اس میں تقریر کرتے ہوئے اسرائیل کو اپنی تنقیدوں کا نشانہ بنایا اور اسے ایک نسل پرست ریاست قرار دیا اور ہولوکاسٹ کے نظریہ پر بھی سوالات اٹھائے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دباؤ کے باوجود اس میں شریک تو ہوئے تاہم یہ دباؤ اتنا بڑھا کہ بالآخر انہیں اس سے علیحدہ ہونا پڑا۔ یہ نتیجہ اخذ کرنے کی بھی بڑی مضبوط وجوہ ہیں، ان میں سے ایک یہ کہ ٹھیک اس موقع پر جنیوا میں ایک متوازی کانفرنس کا انعقاد تھا جو خالص یہودیوں کی جانب سے کی گئی تھی جس میں دنیا بھر کے یہودی دماغ جمع ہوئے تھے جو اس پر غور کررہے تھے کہ جنیوا کانفرنس کو کس طرح سبوتاژ کیا جائے اور اس کو کس طرح اپنے حق میں استعمال کیا جائے۔ کس طرح اس کے اثرات کو زائل کیا جائے اور کیسے اس پر اثر انداز ہوا جائے اور عالمی رائے عامہ کو کس طرح اپنے حق میں کیا جائے بتایا جاتا ہے کہ اس کا مرکزی موضوع حقوق انسانی تحمل و برداشت اور جمہوریت رکھا گیا تھا، اس کی جو خبریں دی گئی ہیں ان میں اقوام متحدہ کی کانفرنس کو متنازعہ کانفرنس قرار دیا گیا ہے اور اس متوازی کانفرنس کا مقصد اقوام متحدہ کی کانفرنس پر نظر رکھنا بتایا گیا ہے یہ بھی ایک اتفاق ہے کہ جس دن جنیوا میں یہ کانفرنس شروع ہوئی ٹھیک اسی دن اسرائیل میں ہولوکاسٹ میموریل ڈے منایا جارہا تھا۔

یہاں یہ یاد دلانا بے محل نہیں ہوگا کہ ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ اقوام متحدہ نے ہی ایک قرارداد منظور کی تھی جس میں اسرائیل کو ایک نسل پرست ریاست قرار دیا گیا تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ وہ دباؤ کم ہوتا گیا اور مغربی ممالک یا یوں کہا جائے کہ اسرائیل نواز عناصر دوبارہ اس پر حاوی ہوتے گئے پھر ایک مرحلہ وہ بھی آیا کہ اپنی اس قرارداد کو خود اقوام متحدہ نے کالعدم قرار دیا تو کہیں سے کوئی مخالفت نہیں ہوئی یہاں تک کہ بعض مسلم ملکوں کو بھی اس کے حق میں ووٹ دینے یا خاموش رہنے میں ہی عافیت محسوس ہوئی تاہم یہ صورت حال بھی بہت زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہ سکی اور انصاف پسند عناصر نے دوبارہ اپنی حیثیت منوانے کی کوشش شروع کیں دوسری طرف اسرائیل کے مظالم بڑھتے گئے یہاں تک کہ اسرائیل نواز مغربی ملکوں بشمول امریکہ کو بھی اس کی ظالمانہ کارروائیوں اور پالیسیوں کا دفاع کرنے میں دشواریاں محسوس ہونے لگیں۔

عرب اور مسلم ملکوں کے ساتھ ساتھ افریقی اور لاطینی امریکہ کے ممالک پر بھی یہ امر واضح ہوگیا کہ انہیں اقوام متحدہ میں موثر کردار ادا کرنا چاہئے اسی صورت میں اس ادارہ کو چند بڑی طاقتوں کے ہاتھوں کا کھلونا بننے سے بچایا جاسکتا ہے۔ انہی کے زبردست دباؤ پر اقوام متحدہ نے نسل پرستی کے موضوع پر بحث و مباحثہ کی حامی بھری تھی۔ حالانکہ اس میں چالاکی یہ کی گئی تھی کہ اس کا رُخ پھیر دیا جائے اور ''اینٹی سیمی ٹزم'' کو بھی نسل پرستی کے زمرے میں شامل کرکے گویا اس سے بھی اسرائیل نوازی کا پہلو نکال لیا جائے تاہم انہیں اس میں خاطر خواہ کامیابی نہیں مل سکی۔ اور جب ۲۰۰۱ء میں جنوبی افریقہ کے شہر ڈربن میں پہلی مرتبہ اقوام متحدہ کے زیر اہتمام اپنی نوعیت کی پہلی کانفرنس ہوئی تھی سخت معرکہ آرائی ہوئی۔ اس میں ''اینٹی سیمی ٹزم'' (یہود مخالف رجحانات) کی مذمت کا پہلو اُجاگر کیا گیا بلکہ اس کو دوسرے تمام معاملات پر حاوی کرنے کی کوشش کی گئی تاہم خاطر خواہ کامیابی نہیں مل سکی اور وہاں بھی اسرائیل کو ہدف ملامت بنایا گیا، وہاں بھی اس کی کوشش کی گئی کہ مشرق وسطیٰ سے رُخ کو پھیرا جائے جو کانفرنس کا اصل اور بنیادی موضوع بن گیا تھا، مگر اس میں ناکامی ہاتھ آئی اور اس بار بھی یہی ہوا۔ دراصل جنیوا کانفرنس ۲۰۰۹ء ڈربن کانفرنس کا تتمہ تھی اس لئے کہ یہ ایک جائزہ کانفرنس تھی۔ اس میں ڈربن کانفرنس میں کئے جانے والے فیصلوں پر عمل درآمد کا جائزہ لینا تھا، یہی وجہ ہے کہ اسے ڈربن II کانفرنس بھی کہا گیا ہے، اس لئے کہ اس میں نسل پرستی، امتیاز و تفریق اور غیر ملکیوں سے نفرت (xenophobia) سے متعلق ڈربن کانفرنس میں کئے جانے والے فیصلوں پر عمل درآمد کا جائزہ لینا تھا اور اس کی روشنی میں آئندہ کا لائحہ عمل تیار کرنا تھا۔ اس لئے اس کو ڈربن ریویو کانفرنس کا نام بھی دیا گیا، یہ کانفرنس بین الاقوامی شہرت اور اہمیت کے حامل اس شہر میں تقریباً ایک ہفتہ (۲۰ تا ۲۴/اپریل ۲۰۰۹ء) جاری رہی، مگر عالمی میڈیا نے اس کو لائق اعتنا ہی نہیں گردانا جیسے یہ کوئی واقعہ ہی نہیں تھا، اگر خبر دی بھی گئی تو منفی انداز میں۔ عالمی میڈیا نے تو اس میں خطرے کو بو بھی سونگھ لی، جس نے چپکے چپکے اس کی خبر پورے عالم میں پھیلا دی اور بعضوں نے تو تشویش کا برملا اظہار تک کرڈالا۔ کہا یہ گیا کہ یہ مغربی مخالف عناصر کا ایک اجتماع تھا تو کسی نے یہ سوال اٹھایا کہ کیا نسل پرستی مشرق وسطیٰ تک محدود ہے، پھر اس کانفرنس پر مشرق وسطیٰ ہی کیوں چھایا رہا۔ دلتوں کے حق میں کوئی آواز کیوں نہیں اٹھائی گئی۔ یہودی بھی تو مظلوم ہیں ان کے حق میں کوئی کلمۂ خیر کیوں نہیں کہا گیا۔ وہ مظلوم اس بنا پر ہیں کہ خوف و دہشت کے سائے میں جی رہے ہیں۔ ان کا وجود خطرے میں ہے۔ نفرت و حقارت کا شکار ہیں۔ اندیشہ تھا کہ امریکہ اور بعض دوسری بڑی طاقتوں کے بائیکاٹ کی وجہ سے یہ کانفرنس تعطل کا شکار ہوجائے گی مگر ایسا نہیں ہوا۔ کانفرنس اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق ہوئی اور اس نے اپنے ڈیکلریشن میں ڈربن ڈیکلریشن کی تائید و تصدیق کی۔ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ قول کی حد تک تو یہ کامیاب رہی ہے اب دیکھنا ہے کہ یہ اپنے قول کو فعل میں بدلنے میں کامیاب ہوتی ہے یا نہیں۔

(ش ر)

مجموعی طور پر دوسرا انتخابی مرحلہ پرامن رہا

پارلیمانی انتخابات کا دوسرا مرحلہ پہلے مرحلہ کے بالمقابل پرامن رہا گو کہ نکسلیوں کی طرف سے اس بار بھی انتخابی عمل میں رخنہ اندازی کی کوشش کی گئی تھی تاہم حفاظتی دستوں کی بروقت کارروائی نے انہیں کامیاب نہیں ہونے دیا۔ نکسلیوں نے جھارکھنڈ میں ریلوے اسٹیشن اور ریل پٹریوں کو نشانہ بنایا۔ بہار کے مظفر پور ضلع میں انتخابات کے بعد واپسی پر پولنگ پارٹی کی گاڑی کو نشانہ بنایا گیا جس میں پانچ پولیس اہلکار ہلاک ہوگئے۔ نکسلیوں کی ایک کارروائی میں دو افسران زخمی بھی ہوئے۔ جب کہ دوسرے مقام پر حفاظتی دستہ نے سخت جوابی فائرنگ کے ذریعہ نکسلیوں کی انتخابی عمل میں رخنہ اندازی کی کوششوں کو ناکام بنادیا۔ جھارکھنڈ کے جمشید پور اور سنگھ بوم پارلیمانی حلقہ میں انتخابی عمل کو متاثر کرنے کے لئے نکسلیوں نے کم از کم تین مقامات پر فائرنگ اور بارودی سرنگ کے ذریعہ دھماکہ کیا جب کہ ایک دیگر مقام پر چار الیکٹرانک ووٹنگ مشین اور پانچ گاڑیوں کو نذر آتش کردیا۔ پہلے مرحلہ میں انیس افراد ہلاک ہوئے تھے۔

اس مرحلہ میں بارہ ریاستوں کے ۱۴۰ حلقوں میں صرف پچپن فیصد ہی ووٹ ڈالے گئے جو کہ پہلے مرحلہ کے مقابلہ پانچ فیصد کم ہے۔ سب سے زیادہ ووٹ تری پورا میں ڈالے گئے۔ یہاں ۷۸ سے ۸۰ فیصد ووٹنگ ہوئی۔ دوسرے مرحلہ میں دو ہزار اکتالیس امیدوار میدان میں تھے جن میں خواتین کی تعداد ایک سو اکیس تھی۔ قومی پارٹیوں میں بی جے پی کے ایک سو تیرہ امیدواروں میں ایک سو ایک مرد اور بارہ خواتین تھیں۔ بی ایس پی کے ۱۲۲ امیدوار میدان میں تھے ان میں ایک سو سترہ مرد اور پانچ خواتین تھیں۔ کانگریس کے ایک سو سترہ میں سے ایک سو نو مرد اور آٹھ خواتین تھیں۔ این سی پی کے ۲۳ میں سے ۳ خواتین امیدوار تھیں۔ اس کے علاوہ سی پی آئی کے سترہ، سی پی ایم کے نو، آر جے ڈی کے ۱۵ مرد امیدوار میدان میں تھے۔ علاقائی پارٹیوں میں ایس پی کے بیالیس مرد اور دو خاتون، جے ایم ایم کے گیارہ مرد اور دو خاتون، ایل جے پی کے بائیس مرد اور دو خاتون، آر ایس پی کے تین مرد اور دو خاتون، ٹی ڈی پی کے اٹھارہ مرد اور دو خاتون، اے آئی ایف بی کے چھ مرد اور ایک خاتون، اے آئی ٹی سی کے تین مرد اور ایک خاتون، جے ڈی یو کے بارہ مرد اور دو خاتون امیدوار میدان میں تھے۔ اسی مرحلہ میں اے یو ڈی ایف نے سات، اے جی پی نے چھ، جے کے پی ڈی نے ایک، ایم پی پی نے ایک، بی جے ڈی نے نو، جے کے این پی پی نے ایک، ایم اے جی نے ایک، ایم یو ایل نے دو، ایس جی ایف نے ایک، ایس ایچ ایس نے سولہ، جے ڈی ایس نے بیس مرد امیدواروں کو میدان میں اُتارا تھا۔ غیر منظور شدہ پارٹیوں میں سے کے ایم کے گیارہ مرد اور ایک خاتون، بی پی ایم کے سولہ مرد اور تین خاتون، جی جی پی کے نو مرد اور ایک خاتون، ایل ایس پی کے چودہ مرد اور تین خاتون، ایم اے پی کی ایک خاتون، بی ایچ بی پی کی ایک خاتون، پی ایس ایس کی ایک خاتون، آر پی آئی کے چار مرد اور ایک خاتون، ایس اے پی کے چار مرد اور ایک خاتون، ایس اے پی کے

باقی صفحہ ۶ پر

اصل خطرہ پاکستان ہے، اسرائیل

یروشلم۔ اسرائیل کے نئے وزیر خارجہ اویگدور لیبر مین نے کہا ہے کہ ایران کے برعکس اب افغانستان اور پاکستان اسرائیل کے لئے سب سے بڑا ''اسٹریٹجک'' خطرہ ہیں وزیر خارجہ کا منصب سنبھالنے کے بعد پہلی مرتبہ ایک روسی روزنامے کو انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ایران کی صورت میں اگرچہ اسرائیل کے لئے ایک ممکنہ جوہری خطرہ موجود ہے لیکن اس وقت پاکستان اور افغانستان میں سامنے آنے والے مسائل زیادہ اہم ہیں، انہوں نے کہا کہ یہ دونوں ممالک صرف اسرائیل کے لئے ہی نہیں پورے عالمی نظام کے لئے ایک خطرہ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان ایک غیر مستحکم جوہری طاقت ہے جب کہ افغانستان کو طالبان کے ممکنہ قبضے کا سامنا ہے۔ اور ان دونوں ملکوں کے اشتراک سے انتہا پسندی کے زیر اثر ایک ایسا علاقہ وجود میں آسکتا ہے جہاں اسامہ بن لادن کے خیالات کی حکمرانی ہو۔ انہوں نے مزید کہا کہ ان کے نزدیک اس خیال سے چین روس اور امریکہ میں سے کوئی بھی خوش نہیں۔

عالمی اقتصادی بحران بدستور جاری

نیویارک۔ عالمی مالیاتی بینک نے کہا ہے کہ ۲۰۰۹ء میں دنیا کی معیشت میں دوسری جنگ عظیم کے بعد پہلی مرتبہ ۱۰۳ فیصد کی شرح سے مزید کمی واقع ہوگی، واضح رہے کہ جنوری میں عالمی مالیاتی بینک نے یہ پیش گوئی کی تھی کہ سن دو ہزار نو میں دنیا کی معیشت صفر اعشاریہ پانچ فیصد سے بڑھے گی۔ بینک نے برطانیہ کی اقتصادی صورتحال کے بارے میں کہا ہے کہ برطانیہ کی معیشت سن دو ہزار نو میں چار اعشاریہ ایک فیصد کی شرح سے کم ہوگی جب کہ سن دو ہزار دس میں اس میں مزید اعشاریہ چار فیصد کی کمی ہوگی۔ سن دو ہزار دس میں دنیا کی ترقی یافتہ معیشتوں سے بھی زیادہ توقعات وابستہ نہیں کی جارہی ہیں اور اجتماعی طور پر معاشی ترقی کی رفتار صفر رہنے کا امکان ہے۔ آئی ایم ایف کا کہنا ہے کہ یہ صورت حال دوسری جنگ عظیم کے بعد سے زیادہ سنگین ہے۔

ٹارچر کی منظوری رائس نے دی

واشنگٹن۔ امریکی سینٹ کی ایک رپورٹ کے مطابق سی آئی اے کی طرف سے دہشت گردانہ کارروائیوں میں ملوث ہونے کے الزام میں گرفتار کئے جانے والوں کو اذیت رسانی کے ذریعے تفتیش کی منظوری سابق امریکی وزیر خارجہ کنڈولیزا رائس نے سن دو ہزار دو میں دی تھی۔ جس وقت انہوں نے یہ فیصلہ کیا تھا اس وقت وہ نیشنل سیکورٹی ایڈوائزر تھیں، سابق امریکی نائب صدر ڈک چینی کا کہنا ہے کہ ان تفتیشی طریقوں کے ذریعہ مطلوبہ نتائج حاصل کئے گئے۔

تاجکستان-امریکہ معاہدہ

واشنگٹن۔ تاجکستان اور امریکہ نے غیر فوجی ساز و سامان کی ترسیل کے سلسلہ میں راہداری کی سہولت فراہم کئے جانے سے متعلق ایک معاہدہ کیا ہے، بتایا جاتا ہے کہ ریل یا سڑک کے ذریعہ پہلی کھیپ براستہ تاجکستان چند ہفتوں کی بات ہے۔ واضح رہے کہ یہ معاہدہ کرغستان میں امریکی اڈہ بند کئے جانے کے بعد کیا گیا ہے۔ یہ وسطی ایشیا میں واحد امریکی اڈہ تھا۔ واشنگٹن افغانستان میں امریکی اور ناٹو افواج کے لئے غیر فوجی رسد پہنچانے کے لئے پاکستان کے متبادل راستے کی تلاش میں تھا۔

وزیر اعظم کا فیصلہ باہمی مشاورت سے

نئی دہلی۔ محکمہ ریل کے وزیر اور راشٹریہ جنتا دل کے مرکزی صدر لالو پرساد یادو نے کہا ہے کہ قومی ترقی پسند محاذ (یو پی اے) کی سبھی اتحادی جماعتیں ایک ساتھ مل کر یہ فیصلہ کریں گی کہ ملک کا اگلا وزیر اعظم کون بنے گا۔ قابل ذکر امر یہ ہے کہ حالیہ دنوں تک مسٹر یادو ڈاکٹر منموہن سنگھ کی تعریف کرتے رہے ہیں اور ان کو کانگریس کی جانب سے وزیر اعظم کے عہدے پر لانے کی بات سے بھی اتفاق کرتے رہے ہیں۔

خبر و نظر

طالبان کی صورت گری

امریکی وزیر خارجہ ہلیری کلنٹن نے ۲۳/اپریل کو واشنگٹن میں کانگریس کی ایک ذیلی کمیٹی کو بتایا کہ ''پاکستان کی حکومت طالبان کے حق میں دستبردار ہورہی ہے۔ پاکستان نہایت تیزی کے ساتھ انتہا پسندوں کے ہاتھوں میں جارہا ہے جس کی وجہ سے امریکہ اور پوری دنیا کی سلامتی کو مہلک خطرات لاحق ہوگئے ہیں۔'' اُسی دن امریکی ڈیفنس سکریٹری رابرٹ گیٹس نے حکومت پاکستان کو خبردار کیا کہ ''اگر اس نے کامیابی کے ساتھ طالبانی خطرے کا مقابلہ نہیں کیا تو دونوں ملکوں کے تعلقات بگڑ سکتے ہیں۔'' ایک غیر ملکی ایجنسی نے کراچی سے خبر دی ہے کہ طالبانی لیڈر بیت اللہ محسود کے کیمپوں میں کم سے کم پانچ ہزار بچوں کو خودکش حملوں کی تربیت دی جارہی ہے۔ ان کمسن لڑکوں کی عمر دس سے سترہ برس تک ہے۔ انڈین ایکسپریس کی ایک خبر کے مطابق طالبان پاکستان کے شمال مغرب علاقہ میں اپنی گرفت مضبوط کرنے کے بعد اسلام آباد کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ شانگلہ اور بنیر اضلاع پوری طرح ان کی دہشت میں آگئے ہیں۔ راشٹریہ سہارا کی ایک خبر میں کہا گیا ہے کہ پاکستان میں طالبان کے خطرے سے نمٹنے کے سوال پر امریکہ میں بحث جاری ہے۔ امریکیوں کا احساس ہے کہ چونکہ پاکستان کی حکومت طالبان کے سامنے بے بس ہوگئی ہے، اس لئے اب امریکہ کو قدم اٹھانا چاہئے۔

مفہوم بہت وسیع ہے

یہ صرف ایک دن کے اخبارات (۲۴/اپریل) کی خبریں ہیں۔ طالبان کے سلسلہ میں کچھ اور خبریں بھی آئی ہیں۔ گویا طالبان کی صورت گری کی جو مہم امریکہ کی طرف سے شروع کی گئی تھی، بہت زور شور سے جاری ہے۔ القاعدہ کا ہوا استعمال کرنے کے بعد امریکیوں نے اب یہ نیا حربہ شروع کیا ہے۔ لیکن طالبان کا مطلب اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے افغانستان میں اپنی حکومت قائم کی تھی اور جو آج بھی وہاں امریکی قبضے کی مزاحمت کررہے ہیں نیز یہ کہ اب پاکستان کے شمالی سرحدی علاقوں میں بھی ان کے اثرات قائم ہوگئے ہیں تو لفظ ''طالبان'' کا یہ مفہوم محدود ہوگا۔ اگرچہ تعریف بالکل درست ہے لیکن امریکی مہم کا مقصد یہ نہیں ہے۔ بلکہ امریکی پروپیگنڈے کے مطابق دنیا کے وہ تمام مسلمان جو شرعی احکام و اقدار کے پابند ہوں، طالبان ہیں اور اس کے نزدیک یہ سب سے برے لوگ ہیں۔ امریکی استعمار کا ہدف چونکہ دین اسلام اور امت مسلمہ ہے لہٰذا وہ اسلام کو بدنام اور امت کو کمزور کرنے کے لئے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کررہا ہے۔ طالبان کی آڑ میں دنیا بھر کے باعمل مسلمانوں کی کردارکشی اس کا تازہ ترین حربہ ہے۔ امریکہ کی اس مہم کے اثرات دیکھے بھی جارہے ہیں۔ حال ہی میں ڈاڑھی کے ایک مقدمے میں انڈین سپریم کورٹ کے جسٹس ماکنڈے کا جج کا یہ ریمارک کہ ''ہم بھارت میں طالبان نہیں چاہتے'' اس کی ایک مثال ہے۔

پاکستان بھی شامل ہے

لیکن ایسا نہیں کہ امریکہ کی اس مہم کو کامیاب بنانے کے لئے صرف غیر مسلم ممالک یا غیر مسلم عناصر ہی کام کررہے ہیں خود ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' کی موجودہ حکومت بھی اس مہم میں شامل ہے۔ چنانچہ اُسی دن (۲۳/اپریل کو) وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی نے اعلان کیا ''پاکستان کے طالبانائزیشن کو روکنے کے لئے حکومت دیگر اقدامات پر بھی غور کررہی ہے۔'' (انڈین ایکسپریس) اور جہاں تک طالبان کے ''حملوں'' اور ''سفاکانہ عمل'' کا تعلق ہے، اس کی خبریں آئندہ بڑے پیمانے پر آنے لگیں گی۔ سرحد کے ریگستانی علاقہ میں تین چار امریکیوں کو صافوں اور نقلی ڈاڑھیوں سے لیس کرکے کسی لڑکی کو کوڑے لگوائیں جائیں گے پھر دنیا بھر میں اس کی تصویریں دکھائی جائیں گی۔ کسی مدرسہ میں کلاس کے آغاز سے پہلے حمد پڑھتے ہوئے بچوں کی تصویر سیٹلائٹ سے لی جائے گی اور کیپشن لگایا جائے گا۔ ''انہیں خودکش حملوں کے لئے تیار کیا جارہا ہے۔'' ان حربوں کے علاوہ کوئی عجب نہیں کہ پاکستان میں طالبان کے نام سے جو لوگ کارروائیاں کررہے ہیں، امریکی ایجنٹ ہوں۔ بعید تو یہ بھی نہیں کہ جن طالبان لیڈروں کے نام اُچھالے جارہے ہیں، وہ بھی امریکی منصوبے کا حصہ ہوں۔ (پ ر)

بلاتبصرہ

کوئی گروپ دہشت گرد ہے یا نہیں یہ اظہار خیال کا موضوع ہے، لیکن ایل ٹی ٹی ای کے مظالم و بربریت بشمول راجیو گاندھی کے قتل، کو دیکھتے ہوئے کوئی بھی یہ فیصلہ کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ایل ٹی ٹی ای ایک دہشت گرد گروپ ہے۔ ایسے گروپ کے سربراہ کے حق میں ایک منتخب وزیر اعلیٰ کی جانب سے اظہار ہمدردی افسوسناک ہے۔

آر نارائن ایرترواننتاپورم
ہندو، ۲۴/اپریل ۲۰۰۹ء

کیا معافی کا سلسلہ اور دراز ہوگا؟

چند روز پہلے صدر اوباما کے حکم پر سی آئی اے کی ان تفتیشی کارروائیوں سے متعلق خفیہ دستاویزات عام کی گئی ہیں جن کا تعلق دہشت گردانہ کارروائیوں میں ملوث ہونے کے الزام میں گرفتار کئے جانے والے قیدیوں پر کئے جانے والے تشدد سے تھا۔ ان سے اس بات کی تصدیق ہوگئی تھی کہ گوانتاناموبے کے اذیت خانوں میں رکھے جانے والے قیدیوں پر کیسے کیسے مظالم ڈھائے گئے تھے، ان کو کس طرح کی اذیتیں دی گئی تھیں، ان قیدیوں سے ''اقرار جرم'' کرانے کے لئے ان پر کس کس طرح سے تشدد کیا گیا تھا، ایک دو نہیں ایسی چار دستاویز بھی شائع کی گئی ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ قیدیوں کو نہ صرف ذہنی ایذائیں پہنچائی گئی تھیں۔ بلکہ جسمانی طور پر بھی انہیں لہولہان کیا گیا تھا اور سخت تکلیف اور اذیتیں دی گئی تھیں۔ ان طریقوں کو بجا طور پر خلاف ضابطہ و قانون کہا جاسکتا ہے اوّل تو انہیں اس طرح پکڑنا اور رکھنا ہی خلاف ضابطہ تھا کہ ان پر نہ کوئی فرد جرم عائد کی گئی تھی اور نہ انہیں اس کا موقع دیا گیا تھا کہ وہ اپنا دفاع کرسکیں کیوں کہ انہیں کسی عدالت میں پیش ہی نہیں کیا گیا تھا۔ یہ کوئی معمولی لوگ نہیں تھے، نہ ان کا ریکارڈ مجرمانہ تھا، کہیں کسی پولیس تھانے میں بھی ان کے خلاف کوئی شکایت درج نہیں تھی۔ انہیں مختلف ملکوں سے اٹھالیا گیا تھا اور بہت دنوں تک تو دنیا کو اس کی بھی کوئی خبر نہیں تھی کہ ان کو کہاں رکھا گیا ہے، ان کا کیا حال ہے؟ ان کے ساتھ کیا ہورہا ہے، پھر آہستہ آہستہ یہ باتیں سامنے آنے لگیں اور اب سی آئی اے کی خفیہ دستاویزوں کے شائع ہونے سے ان تمام خبروں کی تصدیق ہوگئی ہے کہ قید کے دوران ان کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا وہ انسانیت سے گری ہوئی حرکت تھی۔ انہیں ننگا رکھنا، سونے نہ دینا، خوف زدہ کرنا، پانی میں ڈبو ڈبو کر خوف کی ایک خاص نفسیات میں مبتلا رکھنا دنیا کے کسی بھی قانون کی رو سے جائز نہیں تھا لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کے لئے بھی قانونی جواز فراہم کرنے کی کوشش کی گئی۔ ان انسانیت سوز حرکتوں کے باوجود امریکی صدر نے واشگاف انداز میں یہ اعلان کردیا کہ سی آئی اے کے جو افسران اور راہلکار اس میں ملوث ہوں گے ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی انہیں معاف کیا جاتا ہے۔ جب ان کو اس اعلان سے بھی تشفی نہیں ہوئی تو انہوں نے بذات خود سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر کا دورہ کیا اور انہیں تسلی دی اور ایک بار پھر یہ اعلان کیا کہ ان کی تشویش بجا نہیں ہے ان کا کچھ بھی نہیں ہوگا اور کوئی ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔ ان کے ہوتے ہوئے ان کا بال بھی باکا نہیں کیا جاسکتا، اور اگر ایسا کچھ کرنے کی کوششیں کی جائیں گی تو وہ اس کا دفاع کریں گے۔ انہوں نے واضح لفظوں میں کہا کہ وہ سی آئی اے کی حفاظت کریں گے۔ ابھی اس خبر کی اور اس اعلان کی اور اس حکم نامہ کی سیاہی (روشنائی) خشک نہیں ہونے

باقی صفحہ ۶ پر

عطا اور محبت کا سرچشمہ

یعقوب سروش (مدیر بساط ذکر وفکر)

ہمارے خالق، ہمارے پروردگار کا ذاتی نام "اللہ" ہے۔ ماہرین لغت کہتے ہیں کہ اللہ کا لفظ "ولاہ" سے نکلا ہے، جس کے اصل معنی عربی میں اس غم، محبت اور تعلق خاطر کے ہیں جو ایک ماں کو اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے، اسی سے اردو میں "والہ" (شیدا) مستعمل ہے۔ اس طرح اللہ کے معنی "محبوب" اور "پیارے" کے ہیں جس کے عشق ومحبت میں انسان کا ہی نہیں بلکہ ساری کائنات کا دل گرفتار ہو کر اس کی تلاش وجستجو میں سرگرداں وحیران ہے۔

قرآن حکیم کو کھولتے ہی اس کی دو اہم صفات "رحمٰن" اور "رحیم" سے اللہ کا تعارف ہوتا ہے یعنی بڑا مہربان اور نہایت رحم والا۔ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھ کر آگے بڑھتے ہیں تو سورہ فاتحہ میں سارے جہانوں کے پروردگار کی حمد وثناء سے ہماری زبان تر ہوتے ہی پھر وہی صفات رحمٰن اور رحیم کی تکرار ہوتی ہے۔ اتنا ہی نہیں قرآن کریم کی ہر سورہ ان ہی الطاف وعنایات سے بھرپور صفات الٰہی سے شروع ہوتی ہے۔ ہر نماز میں ان صفات لطف وکرم کا کئی کئی بار اعادہ ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اسلام اللہ تعالیٰ کے بارے میں بندوں کو جو تخیل عطاء کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل لطف کرم، رحمت ورافت اور عنایات وبخشش کا سرچشمہ ہے۔ اس کو اللہ کہو (یعنی محبوب کہو) یا رحمٰن (مہربان) کہو جو کہہ کر پکارو اس کے سبھی اچھے نام ہیں (بنی اسرائیل:۱۱۰)

اللہ تعالیٰ کے جلالی اور جمالی ناموں کا تقابل کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں بڑی تعداد ان ناموں کی ہے جن سے اس کے مہر ومحبت اور الطاف وعنایات کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ "ودود" یعنی محبوب اور پیارا ہے۔ وہ "ولی" یعنی دوست اور مددگار ہے۔ "رؤف" یعنی باپ کی محبت رکھنے والا ہے۔ "حنان" یعنی ماں کا سوز دل رکھنے والا اور محبت کرنے والا ہے۔ وہ "غفار" اور "غفور" ہے یعنی بندوں کے گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔ وہ "سلام" ہے یعنی وہ اپنے بندوں کے حق میں مکمل امن وسلامتی ہے۔ وہ "العفو" معاف کرنے والا، "الوہاب" عطا کرنے والا، "الحلیم" بردبار، "الصبور" بندوں کی گستاخیوں پر صبر کرنے والا، "التواب" بندوں کے حال پر رجوع ہونے والا ایسے کئی اور نام ہیں جن پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے اللہ کے بارے میں کیسی واضح اور غیر مبہم تصویر ہمارے سامنے رکھی ہے۔

اسلام کا بنیادی حکم "ایمان" ہے اور ایمان کی سب سے بڑی علامت "اللہ کی محبت" ہے۔ قرآن حکیم ارشاد کرتا ہے: "اور جو ایمان لائے وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں"۔ (بقرہ:۱۶۵) "سچ تو یہ ہے کہ اگر ایسا ایمان اور حب الٰہی نصیب ہو تو والدین، بھائی بند، بیوی، جان ومال اور خاندان سب کا سب اس پر سے قربان اور نثار کردیا جاتا ہے"۔ (توبہ:۲۴) ایک اور جگہ قرآن مجید میں ہم پڑھتے ہیں: "جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے، رحمت والا خدا ان کے لئے محبت پیدا کرے گا"۔ (مریم:۹۶)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے قرآن حکیم یہ اعلان کراتا ہے: "اگر تم کو اللہ سے محبت ہے تو میری پیروی کرو، اللہ بھی تم سے محبت کرے گا"۔ (آل عمران:۳۱) اسی طرح قرآن حکیم کے مختلف مقامات پر ایسے لوگوں کی نشاندہی کی جاتی ہے، جن کو اللہ کی محبت اور اس کا پیار ملتا ہے۔ "اللہ محسنوں کو پسند کرتا ہے"۔ (بقرہ:۲۴) "اللہ ان کی لغزشوں کو معاف کرنے والا اور اپنی رحمت سے انہیں نوازنے والا ہے"۔ (بقرہ:۲۱۸) "اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے"۔ (آل عمران:۱۵۹) "اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے"۔ (آل عمران:۱۴۶) "اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے"۔ (حجرات:۹) "اللہ کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہوگا او نہ غمگین ہوں گے"۔ (یونس:۶۲) یہ اور اسی نوع کی اور بھی کئی آیتیں ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے خدا کا جو تصور دیا ہے وہ تمام تر رحم ہے اور اس کی رحمت کے فیض سے کائنات کا ذرہ ذرہ سیراب وشاداب ہے، جو کچھ یہاں ہے وہ سب اس کی رحمت کا ظہور ہے۔ اس کی رحمت سے ناامیدی جرم اور مایوسی گناہ ہے۔ مجرموں اور گنہگاروں کو نوازنے اور بخشنے کے لئے وہ ہمہ وقت آمادہ رہتا ہے۔

دیکھئے یہ پیغام الٰہی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے دیا جارہا ہے کتنا تسلی آمیز ہے اور کتنے الطاف وعنایات کا مظہر ہے۔ "اے پیغمبر! میرے ان بندوں کو یہ پیغام پہنچا دو جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے کہ تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اللہ یقیناً تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ بے شک وہی بخشش کرنے والا اور رحم کھانے والا ہے"۔ (زمر۔۵۳) ایک جگہ تو غیر مبہم الفاظ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اللہ نے از خود اپنے اوپر رحمت کو لازم کرلیا ہے"۔ (انعام:۱۲) "اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر لیا ہے"۔ (اعراف:۱۵۶)

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ کریم کے مہر ومحبت کی نوید جانفزا سناتی ہیں۔ ایک حدیث قدسی میں یوں ارشاد ہوتا ہے: "اے آدم کے بیٹو! جب تک تم مجھے پکارتے رہوگے اور مجھ سے آس لگائے رہوگے میں بخشتا رہوں گا، خواہ تم میں کتنے ہی عیب کیوں نہ ہوں۔ اے آدم کے بیٹو! اگر تمہارے گناہ آسمان کے بادلوں تک بھی پہنچ جائیں اور پھر تم مجھ سے معافی مانگو تو میں معاف کردوں گا، خواہ تم میں کتنے ہی عیب کیوں نہ ہوں، مجھے پروا نہیں۔ اے آدم کے بیٹو اگر پوری سطح زمین بھی تمہارے گناہوں سے بھری ہو، پھر تم میرے پاس آؤ اس حال میں کہ کسی کو میرا شریک نہیں بناتے ہو تو میں بھی تمہارے پاس پوری سطح زمین بھر مغفرت لے کر آؤں گا"۔ (جامع ترمذی) یہ بشارت ہے ان لوگوں کے لئے جن کی زندگی پہلے طرح طرح کے جرائم سے آلودہ رہی ہو، اس عام معافی کے اعلان کے بعد عرب کے بگڑے ہوئے لوگوں کو کس طرح سنبھالا ملا، اس کا اندازہ ان بہت سے واقعات سے ہوتا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیش آئے۔ مثال کے طور پر ایک واقعہ ملاحظہ ہو، جسے ابن جریر اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں مسجد نبویؐ سے عشاء کی نماز پڑھ کر پلٹا تو دیکھا کہ ایک عورت میرے دروازے پر کھڑی ہے۔ میں اس کو سلام کرکے اپنے حجرے میں چلا گیا اور دروازہ بند کرکے نوافل پڑھنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا اور پوچھا: "کیا چاہتی ہو؟" وہ کہنے لگی: "میں آپ سے ایک سوال کرنے آئی ہوں کہ مجھ سے زنا کا ارتکاب ہوا، ناجائز حمل ہوا اور بچہ پیدا ہوا تو میں نے اسے مار ڈالا۔ اب میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ میرا گناہ معاف ہونے کی بھی کوئی صورت ہے؟" میں نے کہا: "ہرگز نہیں!" وہ بڑی حسرت کے ساتھ آہیں بھرتی ہوئی واپس چلی گئی اور کہنے لگی "افسوس! یہ حسن آگ کے لئے پیدا ہوا تھا"۔

صبح جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ کر میں فارغ ہوا تو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کا واقعہ سنایا۔ اس پر آپ نے فرمایا: "تم نے بڑا غلط جواب دیا۔ تم نے کیا یہ آیت قرآنی نہیں پڑھی کہ "جو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے، اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ کام جو کوئی کرے وہ اپنے گناہ کا بدلہ پائے گا۔ قیامت کے روز اور اس کو مکرر عذاب دیا جائے گا اور اسی میں وہ ہمیشہ ذلت کے ساتھ پڑا رہے گا۔ الا یہ کہ کوئی (ان گناہوں کے بعد) توبہ کرچکا ہو اور ایمان لاکر عمل صالح کرنے لگا ہو۔ ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا اور وہ بڑا غفور اور رحیم ہے"۔ (سورۃ الفرقان: آیات ۶۸ تا ۷۰)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب سن کر میں نکلا اور اس عورت کو تلاش کرنا شروع کیا۔ رات کو عشا کے وقت وہ ملی تو میں نے اسے بشارت دی اور بتایا کہ سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے سوال کا یہ جواب دیا ہے۔ وہ سنتے ہی سجدے میں گر گئی اور کہنے لگی کہ شکر ہے اس خدائے پاک کا جس نے میرے لئے معافی کا دروازہ کھولا۔ پھر اس نے گناہ سے توبہ کی اور اپنی لونڈی کو اس کے بیٹے سمیت آزاد کردیا۔ اسی سے ملتا جلتا واقعہ احادیث میں ایک بوڑھے شخص کا آیا ہے،

باقی صفحہ ۸ پر

ایک نقطۂ نظر

چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر

پروفیسر محسن عثمانی ندوی

(مدارس کے فارغین اور عصری تعلیم کے موضوع پر راقم کے ایک مضمون کے جواب میں حکیم ظل الرحمٰن نے دعوت کے ۷؍اپریل کے شمارے میں اظہار خیال کیا ہے۔ مدرسہ کے مقام اور مقصد پر روشنی ڈالنا ضروری معلوم ہوا کہ اس کے بغیر موضوع کو گہرائی سے سمجھنا مشکل ہے۔ حکومت کی مداخلت سب کے لئے ناقابل قبول ہے)

"وہ نبوت کے چشمہ حیواں سے پانی لیتا ہے اور زندگی کے کشت زاروں میں ڈالتا ہے۔" یہ عبارت اس مقالہ کا اقتباس ہے جسے دارالعلوم دیوبند میں اساتذہ اور طلبہ کے سامنے پڑھا گیا تھا اور مقالے کا عنوان تھا "طالبان علوم نبوت کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں" مقالہ نگار جو وقت کے ایک بڑے عالم کے نزدیک ذہن ثاقب بھی رکھتے تھے اور دل روشن بھی، کوئی اور نہیں مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ مولانا نے مقالہ میں کار مدرسی کو بہت خوبی سے بیان کردیا۔ یعنی مدرسہ کے فضلا کا کام اور مقام یہ ہے کہ وہ زندگی کے تمام میدانوں میں دنیا کی رہنمائی کرسکیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہمارے مدارس دینیہ میں طلبہ اساتذہ اور فارغین کو نبوت کے چشمہ حیواں سے کتنی واقفیت ہوتی ہے اور کتنی صلاحیت ہوتی ہے اور جتنی واقفیت ہوتی ہے کیا اس کے عشر عشیر کے برابر بھی واقفیت زندگی کے کشت زاروں کے بارے میں ہوجاتی ہے؟ اگر واقفیت ہوجاتی ہے تو کام صرف عملی جامہ پہنانے کا باقی رہتا ہے اور اگر واقفیت نہیں ہوتی اور بالکل ہی نہیں ہوتی تو کشت زاروں سے پوری واقفیت کے بغیر اس میں چشمہ حیواں سے پانی کیسے ڈالا جاسکتا ہے اور اس عظیم الشان مشن سے کیسے عہدہ برآ ہوا جاسکتا ہے جو مدرسہ کے مقام اور منصب کو متعین کرتے ہیں۔ مولانا کی تحریر بہت پرسوز اور بصیرت افروز تھی مولانا نے پرزور لہجہ میں مدرسہ کے ذمہ داروں کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا "مدرسہ کا تعطل اور قیادت سے کنارہ کشی، کسی منزل پر قیام، خودکشی کا مترادف ہے اور انسانیت کے ساتھ بے وفائی کے ہم معنی ہے اور کوئی خودشناس اور فرض آشنا مدرسہ اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔" زندگی کا وہ کشت زار کیا ہے جس کا مولانا نے اپنے خطاب بلیغ میں تذکرہ کیا ہے؟ دنیا کے تمام علمی تحقیقی ادارے اس کشت زار کی حقیقت اور ماہیت پر کام کرنے کے سوا اور کیا ہیں۔ نیچرل سائنس ہو یا سوشل سائنس آرٹس ہو یا لسانیات ٹیکنالوجی اور اس کی انواع واقسام ہر شعبہ علم کا تعلق اسی کشت زار سے ہے جس کے صرف ایک معمولی جز پر ہزاروں انسان نظریہ سازی کرنے پر اپنی عمر اور توانائی صرف کرڈالتے ہیں ان ہی صحیح اور غلط نظریوں پر نظام ہائے زندگی کی بنیادیں استوار کرجاتی ہیں۔ ان ہی نظریات کی حمایت یا مخالفت میں انقلاب آتے ہیں اور حکومتیں بنتی اور بگڑتی ہیں سماج کی تعمیر یا تخریب ہوتی ہے۔ نظریات کی حیثیت ایک سیلاب کی ہوتی ہے، جب کوئی نظریہ صحیح ہو یا غلط، دل میں جڑ پکڑ لیتا ہے اور دماغ میں سرایت کرجاتا ہے تو پھر وہ ایک سیل سبک سیر وزمیں گیر کے مانند ہوجاتا ہے اس کی طغیانی کھیتوں کو اور اس کی فصلوں کو بہالے جاتی ہے اور کوئی چیز آسانی کے ساتھ اس کی راہ میں حائل نہیں ہوتی۔ سماجی علوم اور سائنس کی تھیوریز ہی کے نظریات کا علم اور ان کے زشت وخوب کی تمیز کا علم ہی کشت زار کا علم ہے جب اس کشت زار کے بارے میں کوئی علم نہ ہوگا اور خوب وناخوب کی تمیز نہ ہوگی تو انسان کوئی کلیدی رول زندگی میں ادا نہیں کرسکے گا وہ زندگی کے تمام میدانوں میں سرگرم عمل اور سرگرم کار نہیں ہوسکے گا اور پھر تعطل اور قیادت سے کنارہ کشی کا شکار ہوجائے گا۔ اسی لئے ہمارے مدرسے کے فضلاء تعطل اور دنیا کی قیادت سے کنارہ کشی کا شکار ہو چکے ہیں۔ انہیں خبر ہی نہیں کہ کن نظریات پر دنیا کا اجتماعی اور سماجی نظام چل رہا ہے۔ تہذیب کی بنیاد کیا ہے اور دنیا میں تہذیبوں کا اختلاف کیوں ہے۔ مختلف نظام ہائے حیات کے درمیان سرد جنگ کیوں جاری رہتی ہے۔ سیاست اور تمدنی انقلابات کیوں آتے ہیں فکری قیادتیں کیا کیا ہیں اور ان کے درمیان ٹکراؤ کیوں رہتا ہے۔ ان تمام باتوں سے لاعلمی اور بے خبری کی وجہ سے ہمارے طلبہ فراغت کے بعد علمی اور فکری قیادت اور رہبری سے قاصر رہتے ہیں اور ملکی اور عالمی سطح پر کوئی مثبت رول ادا نہیں کرسکتے اور پھر انقلاب روزگار کی گردشوں کا شکار ہوجاتے ہیں۔ جنہیں اپنے زمانہ کی امامت کرنی چاہئے تھی۔ وہ کہنہ دماغ بن کر زمانے کے پیرو بن جاتے ہیں۔ ان کا ذہن اتنا چھوٹا ہوجاتا ہے کہ فقہ کے اجتہادی مسائل کو بہت مضبوطی سے پکڑے رہتے ہیں اور ان سے سرمو انحراف پر واویلا مچانے لگتے ہیں۔ مسلکی اختلاف ان کا پسندیدہ میدان جنگ ہوتا ہے۔ مولانا علی میاں نے قرآن وسنت کے علوم کے لئے چشمۂ حیوان کا استعارہ استعمال کیا ہے۔ اس چشمۂ حیوان تک سب کی تو نہیں البتہ کچھ طلبۂ مدارس کی رسائی ضرور ہوجاتی ہے۔ لیکن زندگی کے کشت زار تک کسی ایک طالب علم کی بھی رسائی نہیں ہوتی اور رسائی کے لئے جن زبانوں کی تحصیل اور ان میں مہارت کی ضرورت ہے ان میں طلبہ ناخواندگی کا شکار رہتے ہیں۔ اور سماج کا ایک عضو معطل بن کر جینا ان کا مقدر ہوجاتا ہے۔ ایک زمانے میں یونانی علوم کا دور دورہ تھا اور شہرہ تھا ان ہی علوم کے ذریعہ دنیا کو سمجھا جاسکتا تھا۔ ان علوم کی حیثیت اس زمانہ کے کشت زار کی تھی امام غزالی نے یونانی علوم میں مہارت تامہ حاصل کی تھی خود دور آخر میں درس نظامی کے نام سے جو تعلیمی نظام قائم تھا وہ بھی دین ودنیا کی غلط تفریق سے خالی تھا۔ دین ودنیا اور قدیم وجدید کی تفریق وہ بدعت ہے جو مسلمانوں کے نظام ثقافت مدرسی میں بہت بعد میں سرایت کرگئی ہے اور اس نظام کے پروردہ علماء اور فضلاء زندگی کے کشت زار کو سمجھنے کے لائق ہوتے ہیں اور نہ کشت زار کو چشمۂ حیواں سے سیراب کرنے کے قابل۔ وہ ایک خول میں بند رہتے ہیں۔ مدارس کے ذمہ داروں کا ذہن اتنا محدود ہوجاتا ہے کہ نظام مدرسی اور ثقافت کی تشکیل جدید اور نصاب میں تبدیلی کی باتیں انہیں برافروختہ کردیتی ہیں۔ وہ فقہی موشگافیوں کو ہی اصل علم سمجھتے رہتے ہیں۔ وہ اپنے کام پر (جو یقیناً نیک اور اچھا کام ہوتا ہے) مطمئن اور قانع رہتے ہیں۔ ستاروں سے آگے کسی جہان کا نہ تو علم انہیں ہوتا ہے اور نہ وہاں تک پہنچنے کا ان کے دل میں کوئی جذبہ موجزن ہوتا ہے۔ ان کی نگاہ محدود، ان کا ثقافتی دائرہ محدود تر ہوتا ہے۔ مولانا علی میاں میری دانست میں وہ پہلے عالم دین ہیں جنہوں نے علم کی دینی اور دنیوی تفریق کی مخالفت کی ہے اور علم کو ایک اکائی قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو مولانا کی تقریر، کتاب، "دعوت فکر وعمل") یہ حرف راز جو مولانا کی زبان سے نکلا مدرسہ کے حلقہ میں حرف مسموع نہ ہوسکا۔ مدرسہ کے اصاغر سے لے کر اکابر تک سب دینی اور دنیوی جدید اور قدیم کی تقسیم کے قائل رہے۔ چشمہ حیوان سے پانی لینے اور زندگی کی کشت زاروں میں ڈالنے کا مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کا پیغام دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم اور اس طرز کے مدارس کے عالی مقام ذمہ داروں نے ایک کان سے سنا اور دوسرے کان سے اڑا دیا۔ ان حضرت نے مولانا کے احترام میں کوئی کمی نہیں کی۔ تبلیغی جماعت کے بانی اور دیگر ذمہ دار بزرگوں کا تعلق بھی دیوبند کے مدرسہ فکر سے تھا۔ یہ سب لوگ مولانا علی میاں کا بہت احترام کرتے تھے لیکن کسی کے پاس وہ گوش حقیقت نیوش نہ تھا جو مولانا کی باتوں کو عمل کا جامہ پہنانے کے لئے تیار ہوجاتا۔ مولانا نے مدرسہ دیوبند کے جن بزرگوں کو اپنا روحانی مربی اور مرشد بنایا وہ سب مولانا کی علمی تصنیفی عظمت کے قائل اور ان کی عالی نسبتی کے معترف تھے اور ان کی سیرت وشرافت اور روحانیت واخلاق سے آگاہ تھے۔ وہ مولانا کے تابندہ افکار سے بھی آشنا تھے۔ لیکن یہ آشنائی قبول حق اور کسی تبدیلی اور انقلاب فکر کا پیش خیمہ نہ بن سکی۔ نظام تعلیم وہی رہا، سوچنے کا اسلوب اور انداز جوں کا توں قائم رہا۔ جمود وتعطل اور بوریہ نشینی اور خلوت گزینی میں کوئی کمی نہیں آئی اور انسانیت کی قیادت سے کنارہ کشی اسی طرح باقی رہی زندگی اور زمانہ کا دھارا اسی طرح بہتا رہا اور علماء اس میں کسی تبدیلی سے قاصر رہے۔ اور وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا۔ مولانا کی بات اگر سنی جاسکتی تھی تو مدرسوں اور تبلیغی جماعت اور بزرگان دین کے دائروں میں نہیں بلکہ جماعت اسلامی کے حلقوں میں اور جدید دانش گاہوں میں۔ لیکن مولانا مدارس کے حلقوں ہی سے زیادہ قریب تھے کیونکہ مولانا کے نزدیک اور دوسرے حضرات کے نزدیک مولانا مودودیؒ اور ان کی جماعت کے لوگوں میں روحانیت کی پختگی میں دو تین آنچ کی کمی رہ گئی تھی۔ دنیا کی امامت اور قیادت کے سلسلہ میں مولانا مودودیؒ کا نقطہ نظر مولانا علی میاں کے نقطہ نظر سے قریب تر تھا۔ مولانا کی کتاب "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر" سے یہ بات ثابت ہوتی ہے لیکن مذکورہ جدید دانشوری کے حلقہ کے پاس کشتی موجود تھی لیکن چپوار میں خامی تھی اس لئے مولانا کے نزدیک ساحل مراد تک پہنچنا اس بے چپوار کی کشتی کے ذریعہ ممکن نہ تھا، اس حلقہ کے پاس تربیت کے لئے اعلیٰ معیار کے مدرسے نہ تھے جن کی حیثیت مولانا کی نگاہ میں اسلام کے قلعوں کی تھی۔ مولانا علی میاں کے لئے دوسری مشکل یہ تھی کہ جن بزرگوں سے اور مدارس کے جن حلقوں سے وہ قریب تھے وہ حدیث وفقہ کے روایتی انداز کے ماہر تو ضرور تھے لیکن "کشت زار" کے بارے میں ان کی واقفیت بہت زیادہ کمزور اور برائے نام تھی اور اس بارے میں ان کی فکری بصیرت کی دیگ کے سارے چاول کچے رہ گئے تھے۔ اس حلقے کے پاس وہ سرے سے کشتی ہی نہ تھی جو ساحل تک پہنچا دیتی۔

جس کائنات کے بنانے میں لاکھوں برس صرف ہوئے ہوں ابتداء سے انتہاء تک جس کی تخلیق کے ہر مرحلہ میں خالق کائنات کا دست تصرف کارفرما رہا ہو کیا وہ اسی لئے ہے کہ کافروں مشرکوں اور خدا بے زار لوگوں کے تصرف میں دے دیا جائے کہ اس عظیم الشان تخلیق سے جس طرح چاہیں کھیلیں اور جس طرح چاہیں اسے برباد کریں اور حق کا علم بلند کرنے والوں پر جتنا ظلم چاہیں روا رکھیں اور اپنی اسلحہ سازی اور ٹکنالوجی میں برتری کے ذریعہ مسلمانوں کے جس ملک پر چاہیں قبضہ کرلیں۔

اب رہی بات ندوۃ العلماء کی جس کی سربراہی خود مولانا علی میاں کے ہاتھ میں تھی۔ ندوہ نے اعلیٰ درجہ کے علمی اسلوب میں تصنیف کا سلیقہ سکھایا اور وہ صلاحیتیں طلبہ میں پیدا کردی تھیں کہ وہ عربوں کو خطاب کرسکیں اور ان کا مقام یاد دلاسکیں لیکن مغربی ملکوں کے لئے ایسے باصلاحیت علماء پیدا ہوسکیں جو ان کی زبان میں اسلام کی دعوت دے سکیں اور جس کا خواب علامہ شبلی نے دیکھا تھا، تو ندوہ ان کے پیدا کرنے سے قاصر رہا۔ ندوۃ العلماء کے نصاب میں مزید اصلاح وانقلاب کی ضرورت تھی جو بوجوہ نہ ہوسکی، عربی کو ایک زندہ زبان کی حیثیت سے پڑھانے کی ندوۃ کی تحریک دیوبند نے قبول کرلی۔ دیوبند اور اس طرز کے اداروں سے بھی عربی زبان کے لکھنے والے پیدا ہونے لگے۔ لیکن وہ علماء نہ ندوہ سے پیدا ہوسکے اور نہ دیوبند سے جو یورپ اور امریکہ کے لوگوں کو خطاب کرسکیں اور جن کی آواز مغرب کے ایوانوں سے ٹکرائے اور وہاں کے رہنے والوں کے دلوں میں ارتعاش پیدا کردے۔ اور جس کا خواب علامہ شبلی نے ندوہ کی تاسیس کے وقت دیکھا تھا اور جس کے لئے مولانا علی میاں نے چشمہ حیواں سے کشت زار میں پانی ڈالنے کا استعارہ استعمال کیا تھا۔ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ عالمی سطح پر مسلمانوں کا دنیا کی قیادت میں کوئی رول نہیں ہے اور اس کی وجہ نظام کی ثنویت ہے اور یہ ثنویت نظام فکر کی غلطی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ جب تک دین کے بارے میں یہ تصور باقی رہے گا کہ وہ صرف عاقبت بخیر ہونے کا ذریعہ ہے اس کا دنیا سے کوئی تعلق نہیں اور اگر دنیا کی قیادت اور قوموں کی امامت دوسروں کے ہاتھ میں رہے تو یہ کسی رنج وفکر کی بات نہیں تو پھر بھی عزت اور طاقت ہاتھ نہیں آسکتی۔ دین کا سیاست سے کیا رشتہ ہے اس کو پورے طور پر سمجھنے کے لئے سیرت النبی کے ساتویں حصے کا مطالعہ ضروری ہے۔ جو علامہ سید سلیمان ندوی کی تصنیف ہے اور جس کا مقدمہ مولانا علی میاں کے قلم سے ہے۔ جب تک آیت عبادات اور آیت خلافت دونوں کو سامنے رکھ کر نظام فکر نظام تعلیم اور نظام عمل کی اصلاح نہیں ہوگی محرومی اور پسماندگی سے نجات نہیں حاصل ہوسکے گی۔ خلافت ارضی کا تعلق دنیا کے انتظام وانصرام سے ہے اور اس کے لئے صلاحیتوں کے حصول سے ہے۔ زندگی کا مقصد ہر میدان میں حسن عمل ہے (لیبلوکم ایکم احسن عملا) افسوس یہی ہے کہ دین کے روایتی تصور میں حسن عمل کا مطلب خاک کی آغوش میں تسبیح ومناجات رہ گیا ہے۔ اور اس کے لئے "دنیا سے ممکنہ حد تک کنارہ کشی" کو ضروری قرار دیا جاتا ہے۔ اس بات سے انکار نہیں کہ حسن عمل کے معنی اوّل اطاعت احکام ہیں لیکن تعمیر جہاں اور زندگی کے اختیار کردہ میدان میں پرفکشن مہارت عمل بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے اور اسی لئے آیت کے فوراً بعد پرفکشن یعنی کمال حسن کا تذکرہ آیا ہے آسمانوں کی وسعت اور اس کی مانگ میں چمکتی ہوئی کہکشاں اور اس کی قبا پر جگمگ کرتے ہوئے ستاروں کی تابانی یہ جمال وکمال سب کچھ انسان کو ہر کام میں حسن عمل کی اور جمالیاتی قدروں کی رعایت کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ حسن عمل کا تعلق دنیا کے نظم ونسق اور دروبست اور تسخیر فطرت سے بھی ہے

ندوۃ العلماء کے نصاب میں مزید اصلاح وانقلاب کی ضرورت تھی جو بوجوہ نہ ہوسکی، عربی کو ایک زندہ زبان کی حیثیت سے پڑھانے کی ندوۃ کی تحریک دیوبند نے قبول کرلی۔ دیوبند اور اس طرز کے اداروں سے بھی عربی زبان کے لکھنے والے پیدا ہونے لگے۔ لیکن وہ علماء نہ ندوہ سے پیدا ہوسکے اور نہ دیوبند سے جو یورپ اور امریکہ کے لوگوں کو خطاب کرسکیں اور جن کی آواز مغرب کے ایوانوں سے ٹکرائے اور وہاں کے رہنے والوں کے دلوں میں ارتعاش پیدا کردے۔

یہ بات سورہ انعام کی آخری آیت سے بھی ثابت ہے جس میں حسن عمل کو خلافت ارض سے مربوط کیا گیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ "اور اسی نے تم کو نائب کیا زمین میں اور بلند کردیے اس نے تمہارے درجے ایک پر ایک، تاکہ آزمائے تم کو ان صلاحیتوں میں اور استعداد ولیاقت میں جو اس نے تم کو عطا کی ہیں" ایک آیت میں حسن عمل کی تلقین کے ساتھ کائنات کی نیرنگیوں کا اور دلفریب حسن وجمال کا تذکرہ ہے اور دوسری آیت میں حسن عمل کی تلقین کے ساتھ خلافت ارضی کا۔ اگر خلافت ارضی کا تعلق کچھ بھی مقام انسانیت سے ہے اور مقصد انسانیت سے ہے تو ہمارے نظام تعلیم اور نظام ثقافت کو اس سے ہم آہنگ ہونا چاہئے چونکہ کائنات کے انتظام میں اور تسخیر فطرت میں گوناگوں صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالی نے انسانوں کو مختلف قسم کی صلاحیتیں عطا کی ہیں۔ ان ہی صلاحیتوں کے ذریعہ انسان کے حسن عمل کا امتحان ہوتا ہے۔ مختلف قسم کی صلاحیتوں کو جلا دینے کے لئے علم ضروری ہے۔ قرآن وسنت میں جہاں جہاں حصول علم کی تلقین ہے وہاں علم سے مراد بس علم ہے دینی اور دنیوی علم کی تفریق کے بغیر۔ یہاں تک کہ اس دور کی انفارمیشن ٹکنالوجی، ٹیلی کمیونیکیشن اور انجینئرنگ بھی دائرہ علم میں داخل ہیں۔ علم کے ذریعہ ہی حسن عمل کا ظہور ہوتا ہے۔ دنیا میں حسن عمل کا اثبات ہر میدان میں انتظامی اور تنظیمی صلاحیتوں سے ہوتا ہے اور ان صلاحیتوں کا ظہور اثبات ذات کے ذریعہ ہوتا ہے نہ کہ فرار سے اور خلوت گزینی سے اور ذمہ داریوں سے دست کشی اور گریز سے۔ جس کائنات کے بنانے میں لاکھوں برس صرف ہوئے ہوں ابتداء سے انتہاء تک جس کی تخلیق کے ہر مرحلہ میں خالق کائنات کا دست تصرف کارفرما رہا ہو کیا وہ اسی لئے ہے کہ کافروں مشرکوں اور خدا بے زار لوگوں کے تصرف میں دے دیا جائے کہ اس عظیم الشان تخلیق سے جس طرح چاہیں کھیلیں اور جس طرح چاہیں اسے برباد کریں اور حق کا علم بلند کرنے والوں پر جتنا ظلم چاہیں روا رکھیں اور اپنی اسلحہ سازی اور ٹکنالوجی میں برتری کے ذریعہ مسلمانوں کے جس ملک پر چاہیں قبضہ کرلیں۔ مسلمانوں کا کام صرف مسجدوں میں نماز پڑھنا اور رمضان کی مہینہ میں روزہ رکھنا رہ جائے۔ اور ایک عالم دین کا کام منبر پر بیٹھ کر عبادات کی اور بوریہ نشینی کی تلقین کرنا ہو اور عبادت کا مفہوم بھی اس کی ناقص نظر میں اپنی تمام وسعتوں کو کھو چکا ہو۔ انتظام اور حکومت میں اور سائنس کی ترقیوں میں نہ اس کا کوئی حصہ ہو اور نہ عمل دخل۔ جب حج کرنا ہو تو کسی شرم کے بغیر امریکہ کے بنے ہوئے ہوائی جہازوں پر بیٹھ کر جدہ پہنچ جائیں اور جاپان کی بنی ہوئی گاڑیوں میں بیٹھ کر جدہ سے مکہ آجائیں اور ہمیں ذرا بھی احساس نہ ہو کہ ہم اپنی عبادتوں میں بھی کس قدر دوسروں کے محتاج اور دست نگر ہو چکے ہیں۔ وائے ناکامی کہ اب متاع کارواں باقی نہیں اور کارواں کے دلوں میں احساس زیاں تک باقی نہیں۔ حالانکہ حدیث "الدنیا خلقت لکم" سے ثابت ہے کہ اللہ کے اطاعت گزار فرمانبردار بندوں کا حق اس دنیا پر نافرمان اور باغی بندوں سے کہیں زیادہ ہے۔ اس لئے دنیا کے دروبست کی صلاحیت بھی اللہ کے فرمانبردار بندوں میں زیادہ ہونی چاہئے۔ انسان کو آخرت کے لئے بنایا گیا ہے لیکن دنیا کو مزرع آخرت کہا گیا ہے۔ مزرع پر محنت کے بغیر آخرت کی فصل نہیں کاٹی جاسکتی۔ مزرع سے مراد صرف عبادت گاہ نہیں ہے جہاں عبادت اور تسبیح وتلاوت میں مشغول رہا جائے بلکہ اللہ کی زمین ہے جس کا انسان کو خلیفہ بنایا گیا ہے۔ حسن عمل کے ذریعہ اور خدا کی اطاعت کے ذریعہ خود کو خدا کے بنائے ہوئے اس خاک دان ارضی پر اتارا جاسکتا ہے یعنی اسے امن وسکون کا گہوارا بنایا جاسکتا ہے اور یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ اسلام امن وسلامتی کا دین ہے۔ لیکن اس خاک دان ارضی پر مسلمانوں کا استحقاق ختم ہوچکا ہے اس لئے کہ انتظامی صلاحیت کی اہلیت انہوں نے کھودی ہے وہ اپنے ملکوں کا دفاع کرنے کے لائق بھی نہیں رہ گئے ہیں۔ افسوس ہے کہ یہ دنیا جس کی تخلیق اہل ایمان کے لئے ہوئی تھی اس کائنات پر دنیائے اغیار کے سائنس دانوں اور سیاست دانوں کا قبضہ ہے اور اقتدار ہی نہیں طاقت اور اس کے تمام ذرائع ان کے ہاتھ میں ہیں اقبال کے الفاظ میں "یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوش تا کمر" اقتدار، طاقت اور عزت نفس کی بازآفرینی ثقافت اور نظام مدرسی کی تشکیل جدید کے بغیر نہیں ہوسکتی ہے۔ اگر افغانستان اور عراق کو کھودینے کے بعد بھی ہمارے مردہ دلوں میں زندگی کی کوئی حرکت نہیں پیدا ہوتی ہے تو ہمیں صور اسرافیل

باقی صفحہ ۵ پر

دعوت
۲۸/اپریل ۲۰۰۹ء

عراق کے حالات

امریکی صدر بارک اوبامہ کے اعلان کے مطابق عراق سے امریکی افواج کے انخلاء کا عمل عنقریب شروع ہوجائے گا، ظاہر ہے اتحادی ملکوں کی فوجیں بھی اسی کے ساتھ بغداد سے نکل جائیں گی۔ ویسے بھی اب ان کی موجودگی علامتی موجودگی سے زیادہ نہیں ہے، اکثر اتحادی ممالک نے تو نہ صرف اپنی فوجیں واپس بلالی ہیں بلکہ انہوں نے اپنی ''خدمات'' پیش کرنے سے پہلے ہی معذرت کرلی تھی، اس لئے امریکہ پر بوجھ بہت زیادہ بڑھ گیا تھا بلکہ نفع نقصان، میں برائے نام بھی اب اس کا کوئی شریک نہیں رہ گیا تھا، یہاں تک کہ اس کے انتہائی قریب اتحادی برطانیہ بھی اس سوال پر پس وپیش کا شکار نظر آنے لگا تھا، یہی نہیں بلکہ اس کی جانب سے دبی زبان میں یہ مشورے بھی دیئے جانے لگے تھے کہ اب مزید نقصان کو برداشت کرنا حکمت ومصلحت کے خلاف ہے۔ انہی حالات میں صدر اوباما نے امریکی افواج کے انخلاء کا باقاعدہ اعلان کیا اور اس کا ایک ٹائم ٹیبل بھی دے دیا، انہوں نے یہ بتایا کہ ان کا یعنی امریکہ کا عراق مشن تمام ہوچکا ہے یا عنقریب تمام ہوجائے گا۔ جس کے فوراً ہی بعد سے امریکی افواج کے انخلاء کا عمل شروع ہوجائے گا۔ جو دو مرحلوں میں پورا ہوگا، انہوں نے یہ تو نہیں بتایا کہ امریکہ کا عراق میں آمد کا اصل مشن کیا تھا، تاہم اگر یہ مان لیا جائے کہ ان کے پیشرو نے جن بنیادوں پر یلغار کی تھی انہیں اس سے کامل اتفاق ہے تو وہ مشن عراق کے پاس موجود خطرناک اسلحہ کو تباہ کرنا، اس کی ٹکنالوجی سے عراق کو محروم کرنا اور عراق میں ایک نمائندہ حکومت قائم کرنا تھا۔ پہلا مقصد تو ان کے پیشرو کے عہد میں ہی یوں ناکام ہوگیا تھا کہ امریکہ ہزار کوششوں کے باوجود یہ پتہ نہیں لگا سکا نہ اس کو اس کے ثبوت مل سکے کہ عراق کے پاس ایسے ہتھیار موجود ہیں نہ وہ یہ ثابت کرسکا کہ اس کے پاس یہ ٹکنالوجی موجود ہے۔ اس کے تفتیش کار، معائنہ کار اور ماہرین نے عراق کا چپہ چپہ چھان، مارا، جہاں جہاں انہیں شبہ تھا وہاں کی ایک ایک انچ زمین کھود ڈالی۔ پورے عراق کو زیروزبر کردیا مگر ان کے ہاتھ کچھ نہیں لگا، یہاں تک کہ خود انہیں اس کا اعلان کرنا پڑا کہ عراق کے بارے میں یہ کہنا غلط ہے کہ اس کے پاس عام تباہی کے موجب ہتھیار موجود تھے۔

صدر اوبامہ کے پیشرو صدر جارج بش نے عراق پر یلغار کی دوسری وجہ یہ بتائی تھی کہ وہاں بدترین قسم کی آمریت قائم ہے اور اس آمرانہ نظام کا خاتمہ وہاں کے عوام کے حقوق کو بحال کرنے کے لئے نہایت ضروری ہے، لہٰذا امریکہ نے پہلے تو عراق کو تاراج کیا، پھر صدام حسین کو پکڑنے کے بعد وہاں قائم آمرانہ نظام کا خاتمہ کیا لیکن آج تک نمائندہ حکومت نہیں بن سکی۔ اس وقت وہاں جو حکومت ہے، دنیا جانتی ہے کہ اس کا کیا حال ہے، دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کرنا اور بات اور دل سے کسی بات کا کو قبول کرنا اور بات ہے، گویا دیکھا جائے تو یہ مشن پورا نہیں ہوا بلکہ ناکام ہوگیا۔ دوسری طرف عام تباہی وبربادی ہوئی، ایک بھرا پرا سماج ویرانیوں میں تبدیل ہوگیا، سڑکیں، اسپتال اور دیگر شہری سہولتیں غائب ہوگئیں۔ جہاں تک وہاں امن وامان کے قیام کی بات ہے تو وہ تا حال قائم نہیں ہوسکا ہے۔ بدامنی کی صورت حال آج بھی ویسی ہی ہے جیسی کہ پہلے تھی بلکہ وہاں قتل وخون کا دور ایک بار پھر شروع ہوگیا ہے جس دن صدر اوبامہ نے یہ اعلان کیا کہ امریکی افواج اب عراق چھوڑ دیں گے اس دن بھی عراق کی سڑکوں پر خون بہا تھا۔ پچھلے دو دنوں کے اندر وہاں تقریباً ڈیڑھ سو افراد کی جانب جاچکی ہیں۔ سیکڑوں لوگ زخمی ہیں۔ غیر ملکی افواج اور طاقتوں کی آمد سے دوسری جو خرابی پیدا ہوئی ہے وہ سماجی تقسیم ہے۔ پہلے بھی وہاں شیعہ، سنی اور سنیوں میں کرد اور غیر کرد کی تقسیم تھی مگر وہ خلیج کی صورت میں نہیں تھی اب تو یہ دوری اتنی بڑھ گئی ہے کہ ان کا پاٹنا مشکل معلوم ہو رہا ہے اور اس کو جان بوجھ کر بڑھایا جارہا ہے سماج میں مجرمانہ ذہنیت اس طرح پرورش پارہی ہے یہی اس کی پہچان بن گئی ہے بلکہ یہ کہا جائے کہ اب یہ اس کی ایک ضرورت بن گئی ہے تو غلط نہیں ہوگا، عراق کی سرزمین اب مفادات کی جنگ کی آماجگاہ بن گئی ہے۔ اس کو بنیاد بناکر مسلم دنیا کے اتحاد کو بھی پارہ پارہ کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں اور کی جارہی ہیں۔ کون لوگ یہ کررہے ہیں کوئی یہ بتانے کی حالت میں نہیں ہے لیکن ہر کسی کے لئے آسان راستہ یہ ہے کہ اسے القاعدہ کے کھاتے میں ڈال دیا جائے۔

عام شہریوں کی ہلاکت پر عالمی برادری کا اظہار تشویش

ہندوستان، اقوام متحدہ، حقوق انسانی کی عالمی تنظیموں اور امریکہ کی جانب سے حکومت سری لنکا سے فوجی کارروائی روکنے کی اپیل

سری لنکا کی تازہ صورتحال پر گفت وشنید کے لئے ہندوستان کی طرف سے بھیجے گئے قومی سلامتی کے مشیر ایم کے نارائنن اور خارجہ سکریٹری شیوشنکر مینن نے سری لنکا کے صدر مہندر راج پکسے سے ملاقات کے دوران فوجی کارروائی کے مابین شہریوں کی ہلاکت کے تعلق سے ہندوستان کی تشویش سے آگاہ کرایا۔ ہندوستان نے جنگ کے خطرے سے حال ہی میں نکالے گئے شہریوں کے انسانی مسائل پر تشویش ظاہر کی ہے۔ اطلاعات کے مطابق جنگی خطہ سے باہر آنے والے تمل شہریوں کی حالت انتہائی ناگفتہ بہ ہے۔ کولمبو سے تقریباً تین سو اسّی کلومیٹر دور شمال مشرق میں واقع ویوتھوکوڈ میں روپپونامی ایک شہر میں ڈیڑھ لاکھ سے زائد پناہ گزینوں کو بسایا گیا ہے۔ رفاہی اور بازآبادکاری کی صورتحال انتہائی خستہ ہے اور ضروریات زندگی تقریباً مفقود ہیں۔ لوگ کھلے آسمان کے نیچے تیز دھوپ میں رہنے پر مجبور ہیں۔

ہندوستان نے تمل شہریوں کی ابتر صورتحال پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے سری لنکا کی حکومت سے شہریوں کے تحفظ کو یقینی بنانے کا مطالبہ کیا ہے۔ گو کہ ہندوستان نے سری لنکا سے واضح الفاظ میں جنگ بندی کا مطالبہ نہیں کیا ہے تاہم بالواسطہ طور پر اس نے شہریوں کو جنگ زدہ علاقہ سے نکلنے کے لئے فوری طور پر جنگ بندی پر زور دیا ہے۔ ہندوستان نے جلد ہی مثبت نتائج کی امید بھی ظاہر کی ہے۔

مبصرین کا خیال ہے کہ تمل ناڈو کے سیاسی حالات اور حالیہ انتخابات کے پیش نظر ہندوستان کو اپنے سفیر بھیجنے پڑے۔ بعض سیاسی مجبوریوں کی وجہ سے ہندوستان سری لنکا پر ایل ٹی ٹی ای جیسی دہشت گرد تنظیم کے خلاف جنگ بندی کے لئے دباؤ نہیں ڈال پارہا ہے۔

ایل ٹی ٹی ای کے خلاف سری لنکا کی فوج کا دائرہ تنگ ہوتا جارہا ہے گزشتہ دنوں اس کے دو اہم لوگوں نے فوج کے سامنے خود سپردگی کی ہے جب کہ وی پربھاکرن اور اس کے دیگر اہم ذمہ داران اب بھی فوج کی گرفت سے باہر ہیں، پربھاکرن کے بارے میں یہ بھی کہا جارہا ہے کہ وہ گرفتاری سے بچنے کے لئے پہلے ملک سے بھاگ چکا ہے تاہم سری لنکا کی فوج نے اس خیال کی تردید کی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ ملائی تیوو میں موجود ہے۔ اس نے خود سپردگی کی حکومت کی اپیل کو ٹھکراتے ہوئے آخری دم تک لڑنے کی بات کہی ہے تاہم پن ڈبی کے ذریعہ ملک سے بھاگنے کے فراق میں ہے۔

ایل ٹی ٹی ای ہی دنیا کی ایک ایسی دہشت گرد تنظیم ہے جس کے پاس بری، بحری اور فضائی فوج تھی۔ اس نے چھوٹے ہوائی جہازوں کو جنگی جہازوں میں تبدیل کرکے سری لنکا کی فوج پر قہر برپا کیا تھا۔ اب اس کے سارے جہاز تباہ ہوچکے ہیں۔ اور ہوائی پٹیوں پر فوج نے قبضہ کرلیا ہے۔ ایل ٹی ٹی ای کے پاس سمندری لڑاکو جہاز بھی تھے جس کی مدد سے سری لنکا کے بحری بیڑے کو کافی نقصان پہنچا تھا اور اس کے کئی جہاز غرق آب ہوئے تھے۔ اس کے پاس کئی پن ڈبیاں بھی تھیں۔ گزشتہ جنوری کو سری لنکا کی فوج نے ان میں سے ایک پر قبضہ کرلیا تھا اور اس کی تصویریں عالمی سطح پر موضوع بحث بنی ہوئی تھیں۔ فوج کی متواتر پیش رفت کی وجہ سے اس کی ساری طاقت ختم ہوچکی ہے اور فوج کے محاصرے نے آب دوز کشتیوں اور پن ڈبیوں کو بے اثر کردیا ہے۔ ہندوستانی بحریہ کے سابق کمانڈر آر ایس واسن کے مطابق پربھاکرن اور اس کے ساتھیوں کا بچی کھچی پن ڈبیوں کی مدد سے فرار ہونا مشکل ہے اس لئے کہ وہ بیڑیوں کی مدد سے چلتی ہیں اور لمبی مسافت ان کے ذریعہ سے طے نہیں کی جاسکتی۔

ایل ٹی ٹی ای کے ساتھ سری لنکا کی فوج کی حالیہ جنگ کے دوران بڑی تعداد میں شہریوں کی ہلاکت کا خدشہ ظاہر کیا جارہا ہے۔ اقوام متحدہ نے اپنی رپورٹ میں ساڑھے چھ ہزار شہریوں کی ہلاکت کی بات کہی ہے۔ حالانکہ آزاد ذرائع کا خیال ہے کہ ہلاک شدگان کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔ صورتحال اس وقت زیادہ پیچیدہ ہوگئی تھی جب ایل ٹی ٹی ای نے نوفائر زون میں پھنسے ہوئے تمل شہریوں کو ہی یرغمال بناکر اپنے لئے ڈھال کے طور پر استعمال کرنا شروع کردیا تھا۔ حالانکہ مبینہ طور پر وہ ان کے ہی مفادات کے تحفظ کے نام پر وجود میں آئی تھی۔

وریں اثنا وزیر داخلہ پی چدمبرم نے چین پر الزام عائد کیا ہے کہ وہ سری لنکا کے تازہ بحران کو طول دینے اور اس پر اپنا اثر قائم کرنے کے لئے ہاتھوں پاؤں مار رہا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ چین گہرے پانی میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہے جس سے دنیا بھر میں اس کے خلاف غصہ بڑھ رہا ہے وہ اس لئے کہ اب دنیا سری لنکا کے مسئلہ کے خاتمہ کو دیکھنا چاہتی ہے۔ وزیر داخلہ کا کہنا ہے کہ سری لنکا کے مسئلہ پر چین کے ارادے صاف ہیں اور چین کی حکمت عملی پر نظر رکھنا ہماری پالیسی ہے۔

وزیر داخلہ کا کہنا ہے کہ چین سری لنکا کو ایل ٹی ٹی ای کے خلاف جارحانہ رُخ اپنانے کے لئے حوصلہ افزائی کررہا ہے۔ چین موقع کا فائدہ اٹھا رہا ہے یہ عالمی برادری کی طرف سے اٹھنے والی آواز سے الگ اور مختلف ہے۔ جب کہ ہندوستان سمیت ساری دنیا چاہتی ہے کہ اس مسئلہ کو جتنا زیادہ ممکن ہوسکے پرامن طریقہ پر حل کیا جائے اور ایل ٹی ٹی ای کے زیر اثر علاقہ میں پھنسے ہوئے تمل شہریوں کو کسی بھی قیمت پر بحفاظت باہر نکالا جائے ان کا کہنا ہے کہ اس مقصد کے تحت عالمی برادری جنگ بندی کے لئے بھی کوشش کررہی ہے۔ ●●

امریکہ-عروج کی بلندیوں سے تباہی کی طرف

امریکہ بہادر چند دن کی بہار دکھا کر بہت تیزی کے ساتھ نہ صرف زوال کا شکار ہوگیا ہے بلکہ وہ دن دور نہیں جب کھنڈروں میں تبدیل ہوجائے گا اور قصہ پارینہ یا تاریخ کا حصہ بن جائے گا۔ غلامانہ ذہنیت رکھنے والے حکمراں اس سے مرعوب ہیں جو لوگ چڑھتے سورج کی پوجا کرتے ہیں یا خالق حقیقی سے منہ موڑ کر دوسروں کے سامنے سربسجود ہونے کی ذہنیت رکھتے ہیں اور اس کے لئے کسی بھی شے کو خدا بناکر پوجنے کے لئے تیار رہتے ہیں وہ امریکہ سے دہشت زدہ، اس سے مرعوب اور اس کے پرستار بنے ہوئے ہیں۔ انہیں امریکہ کے لوگ سب سے زیادہ عقل مند اور بہت زیادہ طاقتور نظر آرہے ہیں جب کہ امریکہ کا قلعہ تیز رفتار کے ساتھ بھر بھر کرکے کچی مٹی کے گھروندوں کی طرح اپنی عمر کے دن پورے کرکے گزر رہا ہے۔ جو لوگ اس کے سامنے سربسجود خوفزدہ اور مرعوب ہیں وہ سر اٹھا کر اس کو ریزہ ریزہ ہوتے دیکھنے کی ہمت بھی نہیں کررہے ہیں جب کہ خود امریکی اپنی کھلی آنکھوں سے لرزاں وترساں اس صورتحال کا مشاہدہ کررہے ہیں۔ چنانچہ نیویارک ٹائمز میں (بحوالہ انڈین ایکسپریس واشنگٹن ایج ۲۳/اپریل) تھومس ایل فریڈمین نے لکھا ہے مالیاتی بحران اور وہ کس طرح کمزور کمپنیوں اور کمزور ملکوں کو درپیش ہے کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے ایک بار وارن بفٹ نے وہ مشہور طنز کیا تھا، ''جب طوفان سر سے اوپر گزر جائے گا تم اس وقت دیکھو گے کہ نہانے کا سوٹ کس نے نہیں پہن رکھا ہے۔'' لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ امریکہ ان ملکوں کی صف میں نظر آرہا ہے جو ایک دو نہیں کئی لحاظ سے ننگے تیرتے یا طوفان میں ہاتھ پیر مارتے دیکھے جاتے ہیں۔ جب کہ وہ طوفان کو بھی سمندری جھاگ ہی تصور کررہے ہیں حالانکہ وہ اب بھی سمجھ داری کا مظاہرہ کرکے بہت کچھ سدھار کرسکتے ہیں اور ڈوبتی کشتی کو پار لگا سکتے ہیں۔

فریڈمین کا کہنا ہے کہ صارفین کی بیجا طلب اور روزگار نیز کریڈٹ سسٹم اور مکانات کی بھرمار نے نہ صرف صنعت اور دیگر اقتصادی میدانوں میں ہماری کمزوری پر پردے ڈال دیئے بلکہ یہ بھی دیکھنے کا موقع نہ دیا کہ کے ۱۲ تعلیم میں ہم کتنے پیچھے جاپڑے ہیں اور اب ہمیں اس پسماندگی کی کتنی قیمت چکانی پڑے گی۔ انہوں نے یہ نتیجہ دی اکانومک امپیکٹ آف دی اچیومنٹ گیپ ان امیریکاز اسکول کے عنوان سے میک کنسی کے کئے ہوئے مطالعہ سے اخذ کیا ہے۔ ۱۹۵۰ء اور ۱۹۶۰ء کی دہائیوں میں امریکہ دنیا بھر میں کے ۱۲ تعلیم میں سب سے آگے تھا۔ اس وقت وہ معاشی لحاظ سے بھی سب پر بالادستی حاصل کئے ہوئے تھا۔ ۱۹۷۰ء اور ۱۹۸۰ء کی دہائیوں میں برتری قائم رکھے ہوئے تھا اپنی آبادی کو سکنڈری اسکول کے ذریعہ تعلیم دینے میں اس کو اب بھی دوسروں پر برتری حاصل ہے لیکن بہت کم۔ اس کو اقتصادیات میں غلبہ حاصل ہے لیکن چین جیسے ممالک کی معیشت اس کو آنکھیں دکھانے لگی ہیں۔ جس سے امریکہ آبادی کے تناسب سے ہائی اسکول کے فارغین کی تعداد اور معیار کے لحاظ سے پچھڑ رہا ہے۔ چنانچہ ۲۰۰۶ء کے پروگرام برائے بین الاقوامی طلبا جائزہ میں جس کے ذریعہ ۳۰ صنعتی ممالک میں ۱۵ سالہ طلباء کی مہارت، علم اور مسائل کے حل کا اندازہ لگایا گیا تھا۔ امریکہ ریاض میں ۲۵ ویں اور سائنس میں ۲۴ ویں نمبر پر آتا تھا۔ جس سے امریکہ کے اوسط طلباء کناڈا، نیدرلینڈ کوریا اور آسٹریلیا جیسے ملکوں کی تو دور جو سروس سیکٹر اور اعلیٰ سطحی جاب میں مقابلہ ومسابقہ میں پیش پیش ہیں پرتگال اور سلوک ریپبلک سے بھی پیچھے ثابت ہوئے۔ امریکہ کے فورتھ گریڈ کے لوگ اس طرح کے عالمی سطح کے ٹیسٹ میں سنگاپور کے ہم پلہ نظر آئے لیکن امریکہ کے ہائی اسکول کے بچے اور بھی پیچھے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ تر امریکی بچے اپنے ہم پلہ بچوں سے بین الاقوامی سطح پر بھی کافی پسماندہ ہیں۔ گرد ونواح کے ماڈرن اسکولوں میں لاکھوں کروڑوں بچے ہیں جو اس حقیقت کو نہیں سمجھ پا رہے ہیں کہ وہ کتنے پیچھے ہیں جب وہ ۱۲ ڈالر فی گھنٹہ جاب کے لئے تیار ہو رہے ہیں نہ کہ ۴۰ تا ۵۰ ڈالر فی گھنٹہ کی جاب کے لئے۔

امریکی صرف بورڈ ہی میں فیل نہیں ہورہے ہیں آج امریکہ میں اچھی نئی نئی ایجادات سے متعلق تعلیم کے میدان بھی ہیں جہاں ٹیچر کمپٹیشن سے چارٹر اسکول اور ملک بھر میں پھیلے ہوئے ڈسٹرکٹ اسکول ہیں جہاں اچھے اور نئے نئے طریقوں سے بہتر تعلیم کا نظم ہے اعلیٰ معیار وصلاحیت کے حامل اچھے پرنسپل ہیں ایک سنگین صورتحال یہ ہے کہ خود کو دنیا کا سب سے ترقی یافتہ ملک سب سے مہذب قوم، آزاد لبرل سوسائٹی اور حقوق کا علمبردار ومحافظ قرار دینے والے امریکہ میں آج بھی نسل پرستی کی جڑیں بہت مضبوط ہیں یہاں تک کہ اسکولوں میں بھی سفید فام، سیاہ، افریقی، امریکی، لاطینی، بنیاد پر اور مختلف آمدنی والی سطحوں کے لحاظ سے فرق وامتیاز پوری قوت کے ساتھ موجود ہے۔ اکانومک ماڈل کی بنیاد پر میک کنسی نے بتایا ہے کہ اس فرق وامتیاز سے اس ملک کو کس قدر قیمت چکانی پڑرہی ہے۔

۱۹۸۳ء میں جو رپورٹ اے نیشن ایٹ رسک سامنے آئی تھی اس کے بعد کے ۱۵/برسوں میں امریکی تعلیم میں اوسط درجہ کی صلاحیت کے بڑھتے طوفان کا خطرہ ظاہر کیا گیا تھا۔ امریکہ نے کارکردگی کی اعلیٰ سطح کو چھونے والے طلباء کے پچھڑے پن کی باتیں کیں۔ لیکن عملاً ۱۹۸۳ء سے ۱۹۹۸ء کے درمیان بین الاقوامی کارکردگی کا فاصلہ ختم ہوگیا یہاں تک کہ فن لینڈ اور جنوبی کوریا کی سطح تک پہنچ گیا۔ مختلف میدانوں میں امریکہ کے انحطاط کو دیکھتے ہوئے ظاہر ہے دوسرے ملکوں اور قوموں کو اس سے کوئی توقع قائم کرنے، مرعوب ہونے اور آئیڈیل تصور کرنے کی بجائے دینی خود اعتمادی کے ساتھ اپنے بل پر اپنے مستقبل کی روشنی بنانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ خود دنیا کے سامنے اپنا نمونہ اور آئیڈیل پیش کرنا چاہئے۔ غلام بن کر رہنے کی بجائے دوسروں کی رہنمائی کریں۔ یاد رہے کہ امریکہ کا پتہ کرسٹوفر کولمبس نے ۱۲/اکتوبر ۱۴۹۲ء کو لگایا تھا۔ اس کے بعد مختلف قسمت آزما اس کے ساحلوں پر لنگر انداز ہوتے رہے یہاں تک کہ ۱۵۲۶ء میں پہلی یورپی بستی یہاں بسائی گئی۔ ۱۵۶۲ء میں پہلی فرانسیسی کالونی آباد ہوئی اور ۱۵۷۹ء میں فرانس ڈریک نے سانفرانسکو کو برطانوی علاقہ قرار دیا۔ ڈنمارک نے بھی اپنی بستیاں آباد کیں۔ مختلف ملکوں سے مزدوروں کو وہاں لے جاکر رکھا گیا۔ اور یہ ملک مختلف اقوام وممالک کا غلام بنا رہا۔

یہاں تک کہ ۴/جولائی ۱۷۷۶ء کو اس کی آزادی کا اعلان کیا گیا۔ یوں آج ۲۰۰۹ء میں آزاد امریکہ کی کل عمر ۲۳۳ سال ہوتی ہے۔ مارچ ۱۷۸۲ء میں برطانوی کابینہ نے امریکہ کو آزاد ملک تسلیم کیا۔ ۵/ستمبر ۱۹۳۹ء کو امریکہ نے یورپی جنگ میں خود کو غیر جانبدار وناوابستہ قرار دیا تھا۔ لیکن ۱۹۴۰ء میں اضافی جنگی سامان برطانیہ کو بیچنے کا فیصلہ کرلیا یہاں تک ۱۹۴۱ء میں ۸/دسمبر کو جاپان کے خلاف اور ۱۱/دسمبر کو جرمنی واٹلی کے خلاف جنگ کا اعلان کردیا اور ۶/جون ۱۹۴۴ء کو امریکی اتحادی فورسز نے یورپ پر حملہ کردیا ۴/تا ۱۱/فروری ۱۹۴۵ء کو سوویت یونین کے کریمیا میں امریکی صدر روزویلٹ چرچل اور سوویت یونین، جاپان کے خلاف جنگ میں حصہ لیا اور ۶/اگست کو ہیروشیما پر پہلا ایٹم بم گراکر انسانیت کشی ودہشت گردی کی دنیا کی تاریخ میں سب سے گھناؤنے عمل کا آغاز کیا۔ جس میں ۷۵ ہزار انسان مار ڈالے گئے پھر ۹/اگست کو ناگا ساکی پر بم گراکر ۴۰ ہزار انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تب ۱۴/اگست کو جاپان نے ہتھیار ڈالنے کا اعلان کردیا۔ اس کے بعد سے یہ خطہ انسانیت کشی کے ایک سے بڑھ ایک ریکارڈ قائم کرتا چلا جارہا ہے۔ اور اب وہ عروج کی بلندیوں پر پہنچنے کے بعد دوسروں کے ساتھ ساتھ خود کو بھی تباہ وبرباد کررہا ہے۔ ●●

تھائی حکومت نے ایمرجنسی اٹھالی

بینکاک- تھائی لینڈ کے وزیر اعظم ابھی شیت ویجا جیوا نے ملک سے ایمرجنسی اٹھانے کا اعلان کیا ہے۔ واضح رہے کہ ملک میں ایمرجنسی آج سے بارہ دن پہلے اس وقت لگائی گئی تھی جب ان کے سیاسی مخالف تھاکسن کے حامیوں نے ملک میں بغاوت کردی تھی۔ یہ بغاوت کا اعلان عین اس وقت کیا گیا تھا جب یہاں سارک ممالک کا ایک بڑا اور اہم اجلاس ہورہا تھا۔ اس بغاوت کی وجہ سے جسے منسوخ کرنا پڑا اور آنے والے مہمانوں کو بذریعہ ہیلی کاپٹر وہاں سے بحفاظت نکالا گیا۔ ساتھ ہی ملک میں ایمرجنسی نافذ کردی گئی۔ اس کے بعد پرتشدد مظاہروں کا سلسلہ شروع ہوگیا جو تقریباً دس دنوں جاری رہا۔ بتایا جاتا ہے کہ تھائی حکومت نے بغاوت کو فرو کردیا ہے۔ اور اب حالات پر اس کا مکمل کنٹرول ہے۔

ایمرجنسی اٹھانے کا اعلان کرتے ہوئے تھائی وزیر اعظم نے امید ظاہر کی کہ اس سے دنیا کو یہ معلوم ہوجائے گا کہ ملک میں اب امن چین قائم ہوگیا ہے، بتایا جاتا ہے کہ اس اعلان سے ملک کے طول وعرض میں خوشی کی لہر دوڑ گئی لوگوں نے اپنی خوشی کا اظہار پھول کے تبادلہ کے ذریعہ کیا، لیکن بتایا جاتا ہے کہ پچھلے چار برسوں سے تھائی لینڈ میں جاری سیاسی بحران کا خاتمہ ابھی تک نہیں ہوسکا کیوں کہ وزیر اعظم ابھی شیت کے مخالفین اب بھی سرگرم ہیں اور وہ سابق وزیر اعظم تھاکسن کی واپسی کے لئے کوشاں ہیں۔ اس کی وجہ سے تھائی معیشت پر منفی اثر پڑا ہے۔ سیاحت کی صنعت بری طرح متاثر ہوئی ہے برآمدات پر بھی برا اثر پڑا ہے۔

تخفیف اسلحہ کے سوال پر روس-امریکہ بات چیت

روم- امریکہ اور روس کے مذاکرات کاروں نے روم میں ابتدائی ملاقات کی ہے جس میں تخفیف اسلحہ کے سلسلہ میں ''بامقصد'' مذاکرات ہوئے ہیں، بتایا جاتا ہے کہ اس بات چیت میں جوہری اسلحہ کی سطح کو کم کرنے کے سوال پر ابتدائی مرحلہ کی بات چیت ہوئی ہے، اس بات چیت کا مقصد دوطرفہ تعلقات کو مزید خوشگوار بنانا بھی بتایا جاتا ہے تاکہ دونوں ملکوں کے درمیان اعتماد بحال ہو اور اعتماد کے ماحول میں بات چیت کو آگے بڑھایا جاسکے۔ امریکہ کی معاون وزیر خارجہ روز گوٹ مولر نے اس بات چیت کو بہت ''مفید اور کارآمد'' قرار دیتے ہوئے اس کو جاری رکھنے پر زور دیا ہے۔

دوسری طرف ان کی روسی ہم منصب اناطول انتوتوف نے کہا ہے کہ روس اس سلسلہ میں دستاویز کا مسودہ اس سال کے آخر تک تیار کرلے گا۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ روس اور امریکہ کے درمیان اس سلسلہ میں ایک معاہدہ طے پاپا جائے گا جو ایک نیا معاہدہ ہوگا۔ دریں اثنا روس نے یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ محض بے کار اور غیر مفید جوہری اسلحہ کی سطح کو کم کرنا کافی نہیں ہے بلکہ دور مار میزائل میں تخفیف کرنے اور انہیں تلف کرنے کے سوال پر بھی غور کیا جانا چاہئے۔ واضح رہے کہ امریکہ اور روس کے مابین اسٹارٹ-۱ (اسٹریٹجک آرمز ریڈکشن ٹریٹی) کے نام سے جو معاہدہ ہوا تھا اس کی میعاد اسی سال دسمبر میں ختم ہورہی ہے۔

امریکہ کو اپنی ایران پالیسی پر نظرثانی کرنی چاہئے/رفسنجانی

تہران- ایران کے سابق صدر علی اکبر ہاشمی رفسنجانی نے کہا ہے کہ اگر امریکہ ایران کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہتا ہے اور افہام وتفہیم کے ذریعہ تصفیہ طلب امور بشمول ایٹمی ٹکنالوجی کے حصول کی ایرانی کوششوں پر بات چیت کا خواہاں ہے تو اسے چاہئے کہ وہ ایران کے تئیں اپنے دھمکی آمیز رویے پر نظرثانی کرے، دونوں باتیں ایک ساتھ نہیں چل سکتیں کہ ایک طرف تو امریکہ ایران کے خلاف پابندیاں عائد کرنے کی دھمکی بھی دے اور دوسری طرف اس سے بات چیت کی خواہش کا اظہار بھی کرے۔

انہوں نے کہا کہ اگر امریکہ واقعی بات چیت کرنا چاہتا ہے اور اس معاملہ میں اس کی نیت صاف ہے تو اس کے لئے ماحول بھی بنانا اس کی ذمہ داری ہے، تاکہ ایران خود کو اس پر آمادہ کرسکے۔ وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ بات چیت کے اس عمل کو سبوتاژ کرنے والی کوئی حرکت نہ کی جائے۔ واضح رہے کہ اس سے دو دن پہلے امریکی وزیر خارجہ نے ایران کو یہ دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے یعنی ایران نے اپنا جوہری پروگرام بند نہیں کیا تو اس کے خلاف کارروائی کی جائے گی۔

فکرِ معاصر

جمہوریت اور تھپڑ

افسوسناک خبر یہ ہے کہ مدھیہ پردیش میں کسی جگہ پر ریاستی خاتون وزیر سے ایک قبائلی عورت نے ان کی وعدوں بھری تقریر کے بعد سوال کیا کہ اس سے قبل جو وعدے کیے گئے تھے وہ اب تک کیوں نہ پورے کیے گئے۔ اس پر خاتون وزیر آپے سے باہر ہوگئیں اور انہوں نے اس قبائلی عورت کے ایک کے بعد ایک دو زوردار تھپڑ رسید کردیے۔ یہ کارنامہ انجام دیا گیا اس ریاست میں جس میں بھارتیہ جنتا پارٹی کی حکومت ہے جو پورے ملک پر حکمرانی کے خواب دیکھ رہی ہے۔ دعویٰ ہے کہ وہ ایک مضبوط و مستحکم حکومت اور قیادت فراہم کرے گی۔ صاف ظاہر ہے یہ مضبوط حکومت ایسی ہی ہوگی کہ جو بھی ذرا بھی مخالفت کرے گا اس کا چہرہ تھپڑوں سے لال کردیا جائے گا۔

بھارتیہ جنتا پارٹی کے رہنما اور وزارت عظمیٰ کے منتظر لال کرشن آڈوانی ہمیشہ اصول اور ضابطے کی باتیں کرتے ہیں لیکن وہ اپنے پرستاروں اور ہم نواؤں کو یہ نہیں بتاتے کہ عوام کے منتخبہ نمائندوں پر لازم ہے کہ جب ان سے ان کو منتخب کرنے والے کارکردگی کے بارے میں سوال کریں تو وہ معقول طور سے جواب دیں کیونکہ جو ان کو منتخب کرتے ہیں یہ ان کا حق ہوتا ہے کہ وہ ان سے دریافت کریں کہ جس کام کے لیے انہیں منتخب کیا گیا تھا وہ انہوں نے کیوں نہیں کیا اور اگر کیا تو کس حد تک کیا۔ انہیں یقینی طور جواب دینا ہوگا۔ آج ایسی خبریں اور شکایتیں جگہ جگہ سے آرہی ہیں کہ وعدے نہ نبھانے پر سوال کیے جانے پر منتخبہ امیدواروں نے سوال کرنے والوں کو دھمکایا یا غیر اخلاقی طور سے نامعقول جواب دیا۔ یہ طرز عمل ہر طرح قابل مذمت ہے۔ الیکشن کمیشن پر لازم ہوتا ہے کہ اس طرح کا برتاؤ کرنے والوں کے خلاف سخت کارروائی کرے۔

اب ایسا وقت آگیا ہے کہ مطالبہ کیا جائے کہ ایسا قانون لازمی طور سے بنایا جائے کہ عوام کے منتخبہ نمائندے وعدوں کے مطابق عمل نہ کریں تو عوام کو حق ہو کہ وہ انہیں واپس بلالیں۔ اب یہ شکایت عام ہے کہ انتخابات کے بعد منتخبہ نمائندے ان کی طرف پلٹ کر بھی نہیں دیکھتے جو کہ ان کو منتخب کرتے ہیں جبکہ ان کو منتخب کرنے والوں کا مقصد ہوتا ہے کہ جب جہاں ضرورت ہو وہ ان کے ساتھ آئیں نیز ایوان میں ان کے مطالبات کو تسلیم کروانے کے لیے پر زور طور سے آواز اٹھائیں۔

آج سیاسی رہنما جس طرح کا برتاؤ کررہے ہیں وہ کسی بھی طرح جمہوری دستور کے مطابق درست نہیں ہے۔ انہیں یہ نہیں معلوم کہ وہ عوام کی خدمت کے لیے ہیں ان پر حکمرانی کے لیے نہیں۔ جمہوری طریقے سے منتخب ہوکر حکومت حاصل کرنے والے اگر مطلق العنان بن جائیں گے تو وہ جمہوری حقوق اور اختیارات سے یقینی طور سے محروم کردیے جائیں گے۔ جمہوریت میں عام، غریب اور بے سہارا آدمی کو اگر اہمیت نہ دی جائے گی، اسے اس کے حقوق اور اختیارات سے محروم رکھا جائے گا تو جمہوریت ہرگز مستحکم نہ ہوسکے گی۔ جمہوری نظام بنایا ہی اسی لیے گیا ہے کہ سماج کے پس ماندہ، بے سہارا اور غریب افراد کو ہرگز نظر انداز نہ کیا جاسکے لیکن بھارتیہ جنتا پارٹی کی حکمرانی والی ریاست میں ایک خاتون وزیر کے ذریعے قبائلی خاتون کے دو تھپڑ رسید کرنے سے صاف ظاہر ہوگیا کہ بھارتیہ جنتا پارٹی میں ایسے لوگ کارفرما ہیں جو عام لوگوں کو ان کے حقوق سے محروم ہی رکھنا چاہتے ہیں اور چونکہ معاملہ قبائلی عورت کا ہے اس لیے مزید سنگین بن جاتا ہے۔ یقیناً ایک قبائلی عورت کے یہ سمجھ کر چانٹے مارے گئے کہ اس کی کیا ہمت، وہ کیا کرسکتی ہے نیز ذہن میں یہ بھی بات ہوسکتی ہے کہ ایک قبائلی عورت کی اتنی جرأت ہوگئی کہ وہ وزیر سے سوال کرسکے۔ جس طرح بھی سوچا جائے یہ رویہ بڑا ہی افسوسناک ہے۔ اس پر سخت کارروائی کا ہونا لازمی ہے۔

(روزنامہ ''آگ''، لکھنؤ)

ان دنوں ملکی ذرائع ابلاغ میں الیکشن کی گہما گہمی اور دہشت گردی کے سنسنی خیز شور و ہنگاموں کے علاوہ کوئی شور سنائی نہیں دیتا۔ ہر سیاسی پارٹی چاہے وہ قومی ہو یا علاقائی اپنے خوش کن، دلفریب اور دلربا مینی فیسٹو کے ذریعے اور رسمی و خوبصورت روایتی الفاظ کے سہارے سبز باغ دکھا کر عوام کو ٹھگنے اور جھانسہ دے کر اقتدار کی کنجی ہتھیانے کی ہر ممکن کوشش کررہی ہے۔ مگر ان مینی فیسٹو میں کہیں بھی کسہا باندھ اور بہار کے لٹے پٹے سیلاب زدگان کی بازآبادکاری کا ذکر نہیں ملتا۔ اس پر بحث و تکرار اب یاد ماضی بن گئی ہے۔ کور چشم سیاسی لیڈران کے لئے اب یہ کوئی مسئلہ نہیں رہا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اب بھی ان الم انگیز یادوں کی دہشت، چبھن بن کر ہزاروں لوگوں کو تڑپا رہی ہے۔ یوں تو شمالی بہار میں سیلاب ہر سال آتا ہے اور سیکڑوں لوگوں کی جانیں چلی جاتی ہیں اور اربوں روپے کی املاک تباہ ہوتی ہیں۔ ندی نالوں کے کنارے بسنے والوں کی ایک قابل ذکر تعداد پائی جاتی ہے۔ ان کی کھیتیاں بھی ہیں اور جائدادیں بھی، مگر سیلاب سے ہر سال انہیں جو نقصان اٹھانا پڑتا ہے وہ حکمراں طبقے سے مخفی نہیں ہے۔ مگر ۱۸؍اگست ۲۰۰۸ء کو کسہا باندھ کے ٹوٹنے سے جو تباہی آئی وہ بہار کی تاریخ کی بدترین تباہی شمار کی جاتی ہے جس نے نہ صرف ہندوستانیوں کو تڑپایا بلکہ عالمی برادری نے بھی اس درد کو محسوس کیا، تقریباً تین ماہ تک ذرائع ابلاغ میں اس کے تذکروں کے ساتھ حکومت کی رسوائی و بدنامی بھی ہوتی رہی۔

سیلاب کی سنگینی کے مدنظر وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ، یوپی اے کی چیئرپرسن محترمہ سونیا گاندھی، ریلوے کے وزیر لالو پرساد یادو، اسپات کے وزیر رام ولاس پاسوان اور اپوزیشن کے لیڈر لال کرشن آڈوانی و دیگر قومی لیڈران نے زمینی و فضائی دورے کیے جنھوں نے قومی آفت قرار دینے اور امداد کی رقم جاری کرنے میں ذرا بھی دیر نہیں کی، اب بڑے بوڑھوں کی زبانی یہی بات سننے کو ملتی ہے کہ جب تک جسم میں روح رہے اس قیامت صغریٰ کو کبھی بھلا نہیں سکتے۔

ایک بار ذکر پھر کسہا باندھ کا

محمد اظہار عالم ندوی، ششوا (نیپال)

باندھ ٹوٹنے کی اطلاع جیسے ہی قرب و جوار کے گاؤں اور علاقوں میں پہنچی لوگ حواس باختہ ہوگئے، بہت سوں نے ہر سال کی طرح محض اسے افواہ ہی سمجھا۔ راقم کے ایک قریبی رشتے دار جو کسہا باندھ سے بمشکل چھ سات کلو میٹر کی دوری پر رہتے ہیں جب اپنے بال بچوں کے ہمراہ گاؤں چھوڑ کر جانے لگے تو انھوں نے اپنے رشتے داروں اور گاؤں والوں سے منت سماجت کی کہ چلو بھاگ چلو اب سوچنے سمجھنے کا وقت نہیں ہے۔ مگر ان لوگوں نے ان کا مذاق اڑایا وہ بمشکل چار پانچ کلو میٹر دور پہنچے ہی تھے کہ گاؤں والوں نے قہر خداوندی کو آتے دیکھا، سب کے ہوش اڑ گئے۔ دوسرے گاؤں اور علاقوں میں بھی یہی منظر تھا۔ پانی کی طغیانی جس تیزی کے ساتھ موت بن کر انسانوں کا پیچھا کررہی تھی دوست دشمن سب گلے شکوے بھلا کر آپس میں مل رہے تھے دل کے نہاخانوں میں پرورش پانے والی کدورت اور رنجشیں بھی حیرانی سے منھ تک رہی تھیں۔ لوگ کچھ اور دن جینے کی تمنا لے کر نامعلوم منزل کی طرف بھاگ رہے تھے کہ اتنے میں پانی کا ریلا آیا کچھ لوگ قریب کے پختہ مکانات کی چھتوں پر چڑھ گئے مگر بڑھتی بھیڑ اور تیز دھارے کے سبب مکانات اور مکین بھی بہہ گئے۔ بتایا جاتا ہے کہ کچھ لوگ درختوں پر بھی چڑھ گئے اور مسلسل چھ روز تک موت سے لڑتے رہے۔ آخر زندگی نے ہار مان لی، سب اپنے اپنوں کی فکر میں تھے غرض ایک قیامت کا منظر تھا بہت سی آنکھیں کشتی نوح کے انتظار میں پتھرا گئی تھیں۔ بھلا ہو دینی تحریکوں اور سماجی تنظیموں کا کہ جنھوں نے بروقت حالات کی سنگینی کا ادراک کرتے ہوئے جنگی پیمانے پر راحت رسانی کے فریضے کو انجام دیا۔ اگر حکومت اور سرکاری ایجنسیوں کے رحم و کرم پر انہیں چھوڑ دیا جاتا تو بہت بڑی آبادی موت کو گلے لگالیتی، مسلسل تین ماہ تک پانی میں گھرے رہنا قیامت سے کم نہیں تھا۔ لوگ دانے دانے کے محتاج ہوگئے تھے۔ بچے بلک رہے تھے بہت سی ماؤں کا دودھ سوکھ چکا تھا۔

ایک طرف جہاں یہ سنگین صورتحال تھی وہیں دوسری طرف ریاستی سیاسی جماعتیں سیلاب زدگان کی ہر ممکن مدد کرنے کی فکر کرنے کے بجائے اپنے حریفوں کو گھیر کر زیر کرنے اور سیاسی بساط پر مات دینے کے لئے نہایت بھونڈے اور احمقانہ طریقوں سے الزام و جوابی الزام میں مشغول نظر آئیں۔ یہ سیلاب کیا آیا بدباطن انسانیت دشمن، سفید پوش لیڈران اور بددیانت افسر شاہوں کی بہار آگئی۔ گویا وہ پہلے سے اس کے منتظر تھے۔ بعض تذکروں اور شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ باندھ ٹوٹا نہیں بلکہ توڑا گیا ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ مرکز کی طرف سے گزشتہ تین برسوں میں چار سو کروڑ روپے باندھ کی مرمت، رکھ رکھاؤ اور ریت و گاد کو صاف کرنے کے لئے دیئے گئے، مگر اس مد میں پھوٹی کوڑی بھی خرچ نہیں کی گئی، جس وقت پورا کوشی علاقہ کراہ رہا تھا اور لوگ دانے دانے کے محتاج ہوکر موت و زیست میں مبتلا تھے عین اسی وقت (۲۷؍ستمبر ۲۰۰۸ء) مویشی پروری کے وزیر رام نارائن منڈل مصیبت زدگان کے زخموں کو ہرا کرنے کے لئے یہ اعلان کررہے تھے کہ حکومت بیل، بھینس وغیرہ کے لئے دس دس ہزار، بکری کے لئے ایک ہزار اور مرغی کی ہلاکت پر تیس روپے بطور معاوضہ دے گی، ویسے تو پندرہ اضلاع سیلاب کی زد میں آئے۔ ۳.۵ لاکھ ہیکٹر سے زائد اراضی کی فصلیں تباہ ہوگئیں۔ پندرہ لاکھ جانور متاثر ہوئے، ریاست کے تعمیرات سڑک کے وزیر پریم کمار کے مطابق ۳۴۶ کلو میٹر نیشنل ہائی وے اور سولہ ہزار کلو میٹر اسٹیٹ ہائی وے اور دیگر چھوٹی بڑی سڑکوں سمیت بڑے پیمانے پر پلوں کے اپروچ کو نقصان پہنچا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق چالیس لاکھ کچے مکانات اور تیس ہزار پختہ مکانات کو نقصان پہنچا۔ کشتی حادثات میں ایک ہزار کے قریب افراد ہلاک ہوئے اور اتنے ہی افراد لاپتہ بتائے جاتے ہیں۔ مگر باندھ کے ٹوٹتے ہی طغیانی نے پہلی نگاہ میں جن گاؤں اور علاقوں پر قہر برپا کیا۔ ان میں جو گنج، جموا، کمیاہی، شری پور، بیر پور، بھیم نگر، بستپہ، لال پور، لاپور گوٹ، پٹیروا، نظام چوک، چھلمیہ، بڑا چھلمیہ، چھوٹا ٹاپو، باپو آن، ڈھولہ اوڑی، ڈبلہ باڑا، ناڑھی، بیریا کمال، کوکلی، بلبھدر پور، کوکلی، بزھوا، بھاکا ٹولی، بلوا، سُر سر، للت گرام، بھوانی پور، شنکر پور، شمبھنگر پور شامل ہیں۔ اب جبکہ سیلاب کا پانی گھروں، دیواروں، گلی کوچوں اور کھیت کھلیانوں سے نکل کر اپنے مسکن پر پہنچ چکا ہے۔ مگر جاتے جاتے وہاں کے مکینوں کے لئے اس نے ایسی تصویریں ایسے زاویے اور ایسا زخم دے گیا ہے کہ جس کی کرب انگیزی سے رات کی نیند اور دن کا سکون سب ختم ہوگیا ہے۔

خصوصاً کسہا باندھ سے متصل علاقوں کا دورہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیلاب نے کس قدر تباہی مچائی ہے۔ تاحد نگاہ ریگستان، منہدم مکانات کے باقیات، نشیب و فراز اور بے ہنگم راستے ٹوٹی پھوٹی سڑکیں، بڑے بڑے کھڈ، تباہی و بربادی کے دہشت ناک مناظر وہاں کے مکینوں کی بدحالیاں اور مایوسیاں ان کے بین السطور کو پڑھے بغیر صاف محسوس کی جاسکتی ہیں۔ اس علاقے کے لئے سب سے تکلیف دہ بات یہ ہے کہ ایک حادثے میں للت نارائن مشرا کی وفات کے بعد ابھی تک کوئی بااثر لیڈر ابھر نہیں سکا، جو منسٹر بن کر علاقے کی تعمیر و ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے۔ یہی وجہ ہے کہ اب یہ سڑکیں جو ٹوٹ پھوٹ کی شکار ہوئی ہیں، پتہ نہیں کب اس کی مرمت ہوگی اور آمد و رفت کی جو پریشانیاں وہاں کے لوگوں کو درپیش ہیں اس سے نجات کب مل سکے گی۔ حالانکہ وزیر اعلیٰ نتیش کمار نے سیلاب متاثرین کی بازآبادکاری اور راحت رسانی کے لئے ۲۳؍فروری کو پلاننگ کمیشن کے چیئرمین مونٹیک سنگھ اہلووالیہ کی صدارت میں ہونے والی میٹنگ میں سولہ ہزار کروڑ روپے کے ایک خصوصی پیکیج کو منظور کرانے میں کامیابی حاصل کرلی ہے۔ فی الوقت ان کی جیب مرکزی حکومت کی طرف سے ملنے والی خصوصی گرانٹ کے علاوہ مخیر حضرات کے عطیات سے گرم ہے۔ بین الاقوامی پیمانے پر روس، فرانس، جاپان، امریکہ اور چین نے بھی مدد کی ہے۔ ملک کے وزیروں، صنعت کاروں اور ملازمین کی طرف سے ملنے والی رقم میں وزیر ریل لالو پرساد یادو کے اعلان کردہ ۹۰ کروڑ میں سے چالیس کروڑ روپے، انل انبانی کی طرف سے گیارہ کروڑ روپے، شیبو سورین کی طرف سے دس کروڑ روپے، اتر پردیش کی وزیر اعلیٰ مایاوتی کی طرف سے گیارہ کروڑ روپے اور دہلی میونسپل کارپوریشن کے ملازمین کی طرف سے دس کروڑ روپے شامل ہیں۔ مرکزی وزیر برائے مملکت آبی وسائل جے پرکاش نارائن یادو کے مطابق کسہا باندھ کی مرمت اور اسے اونچا کرنے کے لئے ۱۴۳.۲۲ کروڑ روپے کی منظوری دے دی گئی تھی۔ کوشی کے مغربی اور مشرقی پشتے کو اونچا کرنے اور کوشی ندی سے قریب متاثرہ علاقوں میں سڑک پل وغیرہ کی تعمیر کے لئے الگ سے ۳۳۹.۳۹ کروڑ روپے کے فنڈ کو حکومت کے تکنیکی صلاح کار کمیٹی سے منظور کرالیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ان مخیر حضرات کی ایک لمبی فہرست ہے جنھوں نے رقوم، دوائیاں، غذائی اشیاء، ٹینٹ، ترپال، بیڈ شیٹ، برتن اور راحت رسانی کی دیگر اشیاء کے ذریعے حکومت کے کاموں کو آسان کردیا ہے۔ اگر نتیش حکومت مختلف مدوں سے ملنے والی ان رقوم کا استعمال دیانتداری سے کرے تو کوئی بعید نہیں کہ لوگوں کی پریشانیاں دور نہ ہوں مگر حالات اور علامتوں سے کچھ ایسے اشارے مل رہے ہیں کہ حکومت کی نیت بہت زیادہ ٹھیک نہیں ہے۔ جس کی واضح مثال یہ ہے کہ آج بھی ہزاروں کی تعداد میں لوگ بے گھر ہیں۔ وہ بے یار و مددگار اور پریشان حال ہیں۔ کھیتی باڑی کی بربادی اور ہزاروں ایکڑ زمین پر ریت کی دبیز چادریں پھیل جانے کی وجہ سے ہزاروں کسان اور کھیت کھلیانوں میں کام کرنے والے ان گنت مزدور بے روزگار ہوگئے ہیں۔ ان کے کھانے پینے اور دیگر روزمرہ کی ضروریات کے بڑے سنگین مسائل اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ راحت کے معاوضوں کے لئے لوگ آفسوں اور بلاکوں کے چکر کاٹ رہے ہیں۔ مشترکہ طور پر دھرنے بھی دے رہے ہیں پھر بھی انہیں فائدہ نہیں ہورہا ہے۔ اس میں بھی ذات پات اور رنگ و نسل کی بات سامنے آرہی ہے۔ حکومت کے کاموں کی رفتار بڑی دھیمی ہے۔ اسی بہانے سے ضلع ادھیکاری سے لے کر مکھیہ منڈل تک لوٹ کھسوٹ میں مصروف ہیں۔ باندھ کے باندھنے کا کام سمجھوتے کے مطابق دسمبر ۲۰۰۸ء تک مکمل ہوجانا چاہئے تھا۔ مگر اب یہ مارچ ۲۰۰۹ء کے اواخر میں مکمل ہوا ہے مگر اونچا کرنے کا کام ہنوز جاری ہے۔ باندھ کی مرمت میں ہونے والی پیش رفت کا جائزہ اب ذرائع ابلاغ میں بھی نظر نہیں آتا اور نہ سیاسی گلیاروں میں اس کی گونج سنائی دے رہی ہے۔ باندھ کا وہ حصہ جہاں سے یہ ٹوٹا ہے۔ اگر کنکریٹ اور سیمنٹ کے بغیر اس کی ڈھلائی کی گئی ہے تو کوئی بعید نہیں کہ ۱۸؍اگست کے بھیانک منظر کا کہیں دوبارہ سامنا نہ کرنا پڑے کیونکہ ہمالہ کی گود سے نکلنے والی چار بڑی کشادہ ندیاں اسی حصے سے براہ راست ٹکرا کر کوسی بریج کی طرف مڑ جاتی ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ بہار کی معیشت صرف سیلاب جیسی قدرتی آفتوں کے سبب متاثر نہیں ہورہی ہے بلکہ وہاں کے حزب اقتدار اور حزب اختلاف کی خودغرضانہ سوچ اور احمقانہ پالیسیوں کے سبب متاثر ہورہی ہے جس کا خمیازہ وہاں کے عوام بھگت رہے ہیں۔ ●●

امریکی مفاد پرست پالیسیوں کی وجہ سے دنیا اس وقت تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے، امریکہ کو سپر پاور ہونے کی وجہ سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے دبا لیتا ہے اور جسے چاہتا ہے پابندیوں کی زد میں لے آتا ہے، مگر اب حالات یکسر بدل رہے ہیں، شمالی کوریا کا معاملہ پچھلی چند دہائیوں سے امریکی ہٹ دھرمی کی وجہ سے کھٹائی میں پڑا ہوا تھا، جاپان اور جنوبی کوریا کو جب بھی شمالی کوریا کے حوالے سے تشویش ہوئی امریکہ کی طرف سے شمالی کوریا کو بین الاقوامی سطح پر تنہا کرنے کی دھمکی دے دی جاتی، شمالی کوریا کا ایٹمی پروگرام کافی عرصہ سے مشرقی ایشیاء کا سب سے اہم اور ہاٹ ایشو رہا ہے، جس پر یکے بعد دیگرے جنوبی کوریا، جاپان اور امریکہ تحفظات کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ مگر اب شمالی کوریا نے امریکی دھمکیوں کو بروئے کار نہ لاتے ہوئے کھل کر میدان میں آنے کا فیصلہ کیا ہے، جس کی سب سے بڑی مثال شمالی کوریا کا حال ہی میں ہونے والا میزائل تجربہ ہے۔

شدید عالمی دباؤ کے باوجود شمالی کوریا نے میزائل تجربہ کردیا، امریکہ نے شمالی کوریا کی جانب سے میزائل تجربے کو اشتعال انگیز قرار دیا ہے، جب کہ شمالی کوریا کا کہنا ہے کہ میزائل تجربہ نہیں کیا گیا، بلکہ مصنوعی سیارہ پر امن مقاصد کی غرض سے خلا میں بھیجا گیا ہے، شمالی کوریا کا مواصلاتی سیارہ ۵؍اپریل ۲۰۰۹ء کو کامیابی کے ساتھ زمینی مدار میں داخل ہوگیا، شمالی کوریا کو خلائی ترقیاتی پراجیکٹ میں ایک اور اہم کامیابی حاصل ہوچکی ہے، جس پر پوری قوم مبارکباد کی مستحق ہے، شمالی کوریا میں سرکاری ٹیلی ویژن پر ''پیانگ یانگ'' میں ایک بہت بڑے عوامی اجتماع کی ویڈیو نشر کی گئی جو کہ شمالی کوریا کی جانب سے خلا میں مصنوعی سیارہ چھوڑے جانے کی کامیابی کی دلیل ہے، باوجود اس کے کہ مغربی ممالک اس تجربے کو ناکام قرار دے رہے ہیں۔ امریکہ اور دیگر ممالک کے ماہرین کا کہنا ہے کہ شمالی کوریا کی طرف سے کیا گیا سیٹلائٹ تجربہ ناکام ہوگیا تھا اور اسی مصنوعی سیارے کو لے جانے والا راکٹ اپنے مقررہ ہدف سے کافی پہلے سمندر میں گر گیا اگر ایسی بات ہے تو شمالی کوریا کو تجربے کی ناکامی کے بتانے میں کوئی جھجک نہیں ہونی چاہئے تھی مگر ان تجزیوں کے برعکس شمالی کوریا کے حکام نے اس تجربے کو کامیاب قرار دیا اور باقاعدہ شمالی کوریا میں جشن بھی منایا گیا جس پر امریکی پروپیگنڈا بے سود ثابت ہوا۔ امریکہ، جاپان اور جنوبی کوریا کی طرف سے اس تشویش کا اظہار بھی کیا گیا تھا کہ شمالی کوریا مصنوعی سیارہ خلا میں چھوڑنے کے بہانے اپنے لمبے فاصلے تک مار کرنے والے میزائل کا تجربہ کررہا ہے اور یہ میزائل امریکی ریاستوں ''ہوئی'' اور ''الاسکا'' تک مار کرسکتا ہے۔ جاپان کی جانب سے شمالی کوریا پر یہ الزام عائد کیا جارہا ہے کہ شمالی کوریا نے سیٹلائٹ کی آڑ میں ''تائی پوڈونگ ۲'' میزائل کا تجربہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے امریکہ اور جاپان نے اسی تجربے کو روکنے کے لئے انتہائی کوشش کی حتیٰ کہ جاپان نے حملہ تک کرنے کی بھی دھمکی دی اور بحر اوقیانوس کے ساحل پر اپنی افواج کو الرٹ کردیا گیا مگر اس کے برعکس شمالی کوریا نے اینٹ کا جواب پتھر سے دیا اور کہا کہ اگر جاپان نے ان کے سیٹلائٹ کے تجربے کو خراب کرنے کی کوشش کی تو جنگ چھڑ سکتی ہے۔

بین الاقوامی دباؤ کے باوجود شمالی کوریا کا میزائل تجربہ

میاں علی رضا

جس پر امریکہ اور جاپان بے بس نظر آئے اور شمالی کوریا نے تجربہ کردیا۔ ۵؍اپریل ۲۰۰۹ء کو پیراگ میں ہونے والے نیٹو کے اجلاس سے قبل اوباما نے پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا کہ ''شمالی کوریا کا میزائل تجربہ اشتعال انگیز ہے۔ شمالی کوریا مزید اقدامات سے باز رہے، انہوں نے صحافیوں سے بات کرتے ہوئے کہا کہ شمالی کوریا میزائل تجربے کے بعد تنہا ہوگیا ہے اور شمالی کوریا نے مواصلاتی سیارے کی آڑ میں بلاسٹک میزائل کا تجربہ کرکے شمالی مشرقی ایشیا اور تمام دنیا کو خطرے سے دوچار کردیا ہے، انہوں نے مزید کہا کہ جاپان، جنوبی کوریا اور امریکہ اس امر پر یقین رکھتے ہیں کہ شمالی کوریا نے مواصلاتی سیارے کی بجائے طویل فاصلے تک مار کرنے والے بلاسٹک میزائل کا تجربہ کیا ہے، جو سلامتی کونسل کی ان قراردادوں کی کھل کر خلاف ورزی ہے، جن میں شمالی کوریا پر اس قسم کے تمام تجربات کی پابندی عائد کی گئی ہے، اور شمالی کوریا نے یہ تجربہ کرکے خود کو اقوام عالم میں تنہا کرلیا ہے، شمالی کوریا کو یہ سمجھنا چاہئے کہ سلامتی غیر قانونی اسلحہ کی نمائش پر حاصل نہیں ہوتی۔ امریکہ اپنے اسلحہ کو کم تو کرے گا۔ لیکن جب تک دنیا میں جوہری خطرہ موجود ہے تب تک اپنی جوہری صلاحیتوں کو برقرار رکھے گا، ان کی انتظامیہ جوہری تجربوں پر پابندی کے معاملے ''سی ٹی بی ٹی'' کو نافذ کرنے کے لئے کام کرے گی، انہوں نے مزید کہا کہ اس سال کے اختتام تک وہ روس کے ساتھ جدید ہتھیاروں میں کمی پر بات کریں گے اور شمالی کوریا کی جانب سے راکٹ تجربے پر ان کو سزا دی جائے گی۔ اوباما کا کہنا تھا کہ شمالی کوریا نے میزائل تجربہ کرکے اصولوں کی خلاف ورزی کی ہے اور عالمی دباؤ شمالی کوریا کو غلط موقف کو تبدیل کرنے پر آمادہ کرے گا اور عالمی برادری شمالی کوریا کے راکٹ تجربے کا ٹھوس جواب دے۔ اوباما کی یہ تقریر عالمی تجربہ نگاروں کے مطابق بوکھلاہٹ کے سوا کچھ نہیں کیونکہ اب ایران کے بعد شمالی کوریا نے بھی امریکی اجارہ داری کو چیلنج کردیا ہے۔ جس پر اس خطے میں موجود امریکی اتحادی ممالک جاپان اور مغربی کوریا کو خطرات لاحق ہوگئے ہیں، دوسری طرف جاپانی وزیر اعظم کے دفتر سے جاری بیان میں کہا گیا ہے کہ شمالی کوریا کا میزائل جاپان کی حدود سے گزرتا ہوا جاپان سمندر کی حدود میں جاکر گرا ہے اور یہ تجربہ انتہائی خطرناک تھا جب کہ شمالی کوریا اس تجربے کے ذریعہ جاپان کو بھی ہدف بنا سکتا ہے اور امریکہ نے اس تجربے کی ناکامی کا عندیہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ راکٹ اور اس پر رکھا گیا سامان بحر اوقیانوس میں آکر گرے ہیں جب کہ شمالی کوریا نے امریکی ردعمل کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ اس نے کسی میزائل کا تجربہ نہیں کیا بلکہ ایک مصنوعی سیارہ خلا میں بھیجا۔ واشنگٹن سے جاری ایک بیان میں ''ہلیری کلنٹن'' کا بھی کہنا تھا کہ شمالی کوریا کے میزائل تجربے سے علاقے پر منفرد اثرات مرتب ہوسکتے ہیں۔ جس پر شمالی کوریا نے جاپان کو دھمکی دی ہے کہ جاپان اور جنوبی کوریا نے ان کے سیٹلائٹ کو مار گرانے کی کوشش کی تو ٹوکیو کے اہم اہداف کو نشانہ بنایا جائے گا۔ غیر ملکی خبر رساں ادارے کے مطابق شمالی کوریا کی فوج کی جانب سے جاری بیان میں کہا گیا ہے کہ اگر ہمارے پر امن مقاصد کے لئے سیٹلائٹ تجربے کے پروگرام کو کوئی نقصان پہنچائے دوسری جانب جنوبی کورین وزیر دفاع نے اپنے امریکی ہم منصب رابرٹ گیٹس سے ٹیلی فونک بات چیت میں شمالی کوریا کے میزائل تجربے پر تبادلہ خیال کرتے ہوئے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ اس میزائل تجربے کے خلاف مشترکہ کارروائی کی جائے گی، شمالی کوریا کی جانب سے خلاء میں راکٹ بھیجنے کے معاملے پر جاپان کی درخواست پر بلایا جانے والا اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا ہنگامی اجلاس بے نتیجہ رہا، سفارتکاروں کا کہنا تھا کہ سلامتی کونسل اس معاملے پر مشاورت جاری رکھے گی تاکہ اس معاملے پر مناسب طریقے سے ردعمل ظاہر کیا جاسکے، امریکہ اور جاپان چاہتے ہیں کہ شمالی کوریا کے تجربے پر سلامتی کونسل اسے سخت جواب دے جب کہ اس کے برعکس چین اور روس اس سلسلے میں تحمل کا مظاہرہ کرنے کے خواہاں ہیں۔ اقوام متحدہ میں جاپان کے ایلچی ''یوکیوٹکاسو'' کے مطابق جاپان چاہتا ہے کہ سلامتی کونسل قرارداد پاس کرے اور شمالی کوریا کو ایک واضح ٹھوس اور متفقہ پیغام دے تاہم چین کے نمائندے ''انگ پیوئی'' کا کہنا تھا کہ دنیا کو ایسے اقدامات سے گریز کرنا چاہئے جس سے تناؤ میں اضافہ ہو۔ انہوں نے کہا کہ سلامتی کونسل کو اس سلسلے میں احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ سلامتی کونسل کا یہ ہنگامی اجلاس تین گھنٹے تک جاری رہا مگر کوئی نتیجہ اخذ نہ کیا جاسکا۔

سلامتی کونسل کے اجلاس کی صدارت میکسیکو کے سفیر ''کلائیو ڈہلیر'' کررہے تھے، جو جاپان کی درخواست پر طلب کیا گیا تھا، اجلاس کے بعد صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے ''کلائیو ڈہلیر'' نے کہا کہ شمالی کوریا کے میزائل تجربے پر مشاورتی عمل جاری رہے گا، دوسری طرف ایران نے شمالی کوریا کی جانب سے راکٹ تجربہ کی حمایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ دونوں ممالک کے میزائل پروگرام میں کوئی تعلق نہیں وزارت خارجہ کے ترجمان ''حسن غشقوئی'' نے کہا کہ ایران کا موقف ہے کہ خلاء کو عالمی قوانین کے مطابق پر امن مقاصد کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے، اگر کچھ عرصہ پیچھے ماضی میں جھانکئے تو شمالی کوریا کے ایک بیان پر اس پر سلامتی کونسل کی طرف سے پابندیاں لگادی جاتی تھیں مگر اب سلامتی کونسل بھی اس معاملے پر سوچ و بچار کرنے پر مجبور ہے، جب کہ شمالی کوریا کو امریکہ کی شدید مخالفت کا بھی سامنا ہے، جس پر اقوام متحدہ میں پیش کی جانے والی اسرائیل کے خلاف قراردادوں کو امریکہ ویٹو قرار دے دیتا تھا اور مظلوم فلسطینیوں کی دادرسی نہیں کی جاتی تھی۔ بالکل اسی طرح اب روس اور چین نے شمالی کوریا کو اقوام متحدہ جیسے امریکہ نواز ادارے میں تحفظ فراہم کرکے امریکہ کو جواب دیا ہے اور ایران کا شمالی کوریا کی کھلے لفظوں میں حمایت اس بات کا عندیہ ہے کہ اب ایشیائی خطے میں امریکہ اور اس کے حواریوں کا مستقبل تاریک ہے، جس کا اعلامیہ شمالی کوریا کا راکٹ تجربہ ہے۔ ●●

ڈھائی ہزار زبانوں کے خاتمے کا خطرہ

اقوام متحدہ کے ادارے یونیسکو نے کہا ہے کہ دنیا میں بولی جانے والی زبانوں میں ڈھائی ہزار زبانوں کو خطرہ لاحق ہے۔ جن میں براہوی سمیت ستائیس پاکستانی اور ایک سو چھیانوے بھارتی زبانیں بھی شامل ہیں۔ یونیسکو کا کہنا ہے کہ دنیا بھر میں اس وقت کل چھ ہزار کے لگ بھگ زبانیں بولی جاتی ہیں جن میں سے ایک سو ننانوے ایسی ہیں جن کے بولنے والے دس یا دس سے بھی کم رہ گئے ہیں۔ جب کہ ایک سو ستر زبانیں ایسی ہیں جن کے بولنے والے دس سے پچاس کے درمیان ہیں۔

اقوام متحدہ کے ادارے یونیسکو نے کہا ہے کہ ستائیس پاکستانی زبانوں سمیت دنیا کو دو ہزار زبانوں کے ختم ہوجانے کا خطرہ ہے۔

یہ بات یونیسکو نے اکیس فروری کو مادری زبانوں کے عالمی دن کے موقع پر دنیا میں بولی جانے والی زبانوں کے لئے تشکیل دیئے گئے ایک ڈیجیٹل نقشے میں کہی ہے جو اکیس فروری کو اقوام متحدہ کے تحت منائے جانے والے مادری زبانوں کا عالمی دن کے حوالے سے جاری کیا گیا ہے۔

جمعہ کے روز (۱۷؍اپریل کو) نیویارک میں اقوام متحدہ کے صدر دفاتر میں یونیسکو کی طرف سے تشکیل دیئے گئے عالمی زبانوں کی اس آن لائن اٹلس یا نقشے کے متعلق ایک بیان جاری کیا گیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ دنیا میں بولی جانے والی چھ ہزار زبانوں میں سے ڈھائی ہزار زبانیں خطرے میں ہیں جن میں سے دو سو زبانیں نزع کے عالم میں ہیں یا جنہیں یونیسکو نے مرتی ہوئی زبانیں قرار دیا ہے۔

(حسن مجتبیٰ، بی بی سی اُردو سروس)

عورت اسلام کی نظر میں

نور افشاں صالحاتی ریسرچ اسکالر شعبۂ عربی علی گڑھ

عورت محض تفریح، دل بستگی، خواہشات پوری کرنے اور میں انسانی سماج اور انسانی سوسائٹی میں وہ اہم سنجیدہ اور بلند مقام کی حامل ہستی ہے جس طرح انسانی ریڑھ کی ہڈی کے بغیر تمام تر اعضاء کی درستگی کے باوجود بے کار ہے۔

عورت نسل انسانی کے لئے ایسا کھیت ہے جس سے نسل انسانی کے گل و بوٹے اُگتے ہیں مگر نسل انسانی کو پروان چڑھانے والا یہ کھیت بے شعور، بے حس و بے ارادہ اور بے اختیار نہیں ہے۔ اس کھیت کا کاشتکار مرد انسان ہے تو یہ عورت بھی انسان ہے، جو عقل و شعور ارادہ و اختیار، فہم و ادراک اور خیر و شر میں تمیز کرنے کی بھرپور صلاحیت کی حامل نہیں ہے۔ بلکہ جس طرح مرد کو بشر ہونے کے ناطے ان تمام تر صلاحیتوں سے نوازا گیا ہے اس طرح عورت کو بھی نوازا گیا ہے۔ جس طرح مردوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ذمہ دار بنایا ہے عورت پر بھی بہت اہم ذمہ داریاں عائد کی ہیں۔

”عورت ذمہ دار، محافظ اور نگراں ہے، اپنے شوہر کے گھر کی اور اس کی اولاد کی، اور ان کے بارے میں اس سے باز پرس ہوگی۔“ (بخاری) کہ اولاد کی نگرانی، پرورش، دیکھ ریکھ، تربیت وغیرہ ذمہ داریاں ادا کرنے میں اُس نے کوتاہی تو نہیں کی۔

جس طرح مردوں پر کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں اسی طرح عورتوں پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنے اوپر عائد ہونے والے فرائض کو ادا کریں ایک بیٹی کی حیثیت سے ایک بہن کی۔ ایک بیوی اور ایک ماں کی حیثیت سے۔

اسلام نے عورتوں کو بہت سے فرائض ایسے عائد کئے ہیں جن میں وہ مرد کے برابر ہیں مثلاً اسلام میں تقویٰ و پرہیزگاری میں، سیاسی وسماجی و معاشی زندگی میں عبادات میں، اخلاقیات میں، انسانیت اور شرافت میں یہاں تک کہ اسلام عورت کو یہ حق بھی دیتا ہے۔ کہ وہ شریعت کی رو سے نکاح کرلے اور اگر وہ بیوہ ہو جائے تو کسی کو اس پر یہ حق حاصل نہیں کہ اس کو دوسرے نکاح سے روکے یا منع کرے اگر وہ معروف طریقے سے نکاح کرنا چاہئے تو اس میں رکاوٹ ڈالنے کا کسی کو حق و اختیار نہیں ہے۔ عورت اپنی زندگی کے ہر دور میں اسلامی شریعت کی جانب سے وراثت کی مستحق ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔ ”مردوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو کچھ ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو کچھ ماں باپ نے اور رشتہ داروں نے ترکہ چھوڑا ہو مقررہ فرض حصہ)

عورت کی ایک حیثیت ایک بیوی کی ہے اس صورت میں اسلام اس کو شوہر کی اطاعت کا حکم رہتا ہے۔ مگر اس میں بھی معروف کی شرط شامل ہے۔ عورت اپنی نسوانیت اپنی حفاظت اور بہت سی ضروریات زندگی میں مرد کی حاجت مند ہے کیونکہ اللہ نے مرد کو فطری اور طبعی طور پر کچھ خصوصیات سے نوازا ہے جن کی بناء پر خاندانی نظام اس کی نظامت میں بہتر طریقے سے انجام پاسکتا ہے یہی وجہ ہے کہ مرد کو یقیناً اللہ نے نگراں، محافظ منتظم اور ذمہ دار بنایا ہے اور جس پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس کی جواب دہی بھی اہم ہوتی ہے۔

آج دنیا میں ہر جگہ مساوات مرد و زن کا نعرہ بلند ملتا ہے جو غیر اسلامی معاشرے اور غیر اسلامی تہذیب کی دین ہے۔ قرآن سے بہتر مساوات مرد و زن کا تصور کوئی اور نہیں دے سکتا ہے؟ قرآن میں اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ (یقیناً اللہ کے وفا شعار اور اطاعت گزار مرد اور خواتین، ایمان والے مرد اور ایمان والی خواتین اللہ کے فرمانبردار مرد اور فرمانبردار خواتین۔ سچے مرد اور سچی خواتین، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی خواتین، سچے مرد اور سچی خواتین، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی خواتین، اللہ کے آگے جھکنے والے مرد اور خواتین، صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی خواتین، ضبط نفس کرنے اور روزہ رکھنے والے مرد اور خواتین اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور خواتین۔ اللہ کو یاد کرنے والے مرد اور خواتین ان سب کے لئے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

مرد و زن میں مکمل مساوات کے مطالبہ کا جہاں تک سوال اگر غور کیا جائے تو خود مردوں مردوں میں اور عورتوں عورتوں میں مکمل مساوات نہیں ہے۔ بعض عورتوں کو بعض مردوں پر فوقیت حاصل ہے تو بعض مردوں کو مردوں پر اور کوئی عورت کسی عورت سے بلند ہے تو مساوات مرد و زن کیسے لائی جائے جب کہ مساوات خود ان جنسوں میں ہی نہیں جو ہم جنس ہیں تو اللہ کی تخلیق یعنی مرد و زن جو اپنے وجود اپنی کام کرنے کی صلاحیتوں اور حیثیتوں میں متضاد ہیں۔ اُن میں مساوات کا کیسے اور کیوں کر مطالبہ درس و مناسب ہوسکتا ہے۔

درحقیقت مساوات کا مطلب یہ ہے کہ نہیں جو آج سب کے دماغوں پر چھایا ہوا۔ ہے کہ جو مرد کریں وہ عورت بھی کرے۔ اگر مرد باہر کام کرتا ہے تو عورت بھی باہر جانے کا مطالبہ کرے۔ آفس چلائے۔ کلبوں، پارکوں اور خلط ملط کی محفلوں میں مردوں کے شانہ بشانہ چلے۔

ضرور ادا کرتے ہیں۔ نبی اکرمؐ نے لڑکیوں کے ساتھ جو حسن معاملہ کیا ہے وہ یقیناً عورتوں پر انسانی معاشرہ پر آپ کا احسان ہے۔ دنیا کی خواتین کو اس پر ناز کرنا چاہئے۔ یقیناً نبی کریمؐ نے لڑکیوں کے ساتھ وہ حسین معاملہ کیا ہے جس پر دنیا کی ہر خاتون کے لئے باعث رشک ہے۔ اور اگر عورت حالت بیوگی میں ہو اور اس کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی موجود نہ رہے اور کوئی شخص اس کی کفالت کرتا ہے تو اسلام کی نظر میں اس کی یہ کوشش جہاد کے برابر ہے اور اس کے لئے اسی قدر اجر ہے جتنا اجر قائم اللیل اور صائم النہار کے لئے ہے۔ گویا اس کی ضروریات پوری کرنا اسلامی معاشرہ کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔

بچیوں کو قتل کر دیا گیا۔ بعض علاقوں میں ستی (یعنی شوہر کے مرتے ہی۔ اس کی چتا میں اس کو بھی جلا ڈالنے) کی رسم رائج ہے۔ دلہنوں کو زندہ جلانے کے واقعات تو ہر جگہ ہیں۔ جہیز کی خاطر لڑکیوں کو اذیتیں دی جاتی ہیں کہیں جہیز کی وجہ سے وہ اپنے ہی والدین کے لئے بوجھ بن جاتی ہیں۔

ستم ہائے ستم اس فعل قبیح میں اسلامی معاشرہ بھی ملوث پایا جاتا ہے جو ان غیر اسلامی معاشروں اور تہذیبوں سے حد درجہ متاثر ہیں۔ گویا عورت ہونا ہی وبال بن کر رہ گیا ہے۔ تامل ناڈو کی سابق وزیر اعلیٰ جے للتا انٹرویو میں تسلیم کر چکی ہیں کہ ہمارے یہاں جہیز نہ لانے یا کم جہیز لانے یا دوسری

اسلام نے عورتوں کو ایک الگ میدان دیا ہے اور مردوں کو الگ، دونوں پر ان کے میدان میں ان کی صلاحیت کے اعتبار سے کچھ فرائض لازم ہیں ان فرائض کی ادائیگی کرتے ہوئے دونوں کو اپنے اپنے میدان میں جو سہولتیں جو آسانیاں اور جو حقوق فراہم کئے جائیں وہ مساوات ہے۔ یعنی اپنے اپنے کارہائے نمایاں انجام دیتے ہوئے فرض کی ادائیگی کرتے ہوئے اپنے میدان کے مطابق حقوق کا مطالبہ ہی مساوات ہے۔

اسلام نے عورتوں کو ایک الگ میدان دیا ہے اور مردوں کو الگ، دونوں پر ان کے میدان میں ان کی صلاحیت کے اعتبار سے کچھ فرائض لازم ہیں ان فرائض کی ادائیگی کرتے ہوئے دونوں کو اپنے اپنے میدان میں جو سہولتیں جو آسانیاں اور جو حقوق فراہم کئے جائیں وہ مساوات ہے۔ یعنی اپنے اپنے کارہائے نمایاں انجام دیتے ہوئے فرض کی ادائیگی کرتے ہوئے اپنے میدان کے مطابق حقوق کا مطالبہ ہی مساوات ہے۔

تاریخ کے اوراق پلٹیں تو وہ اپنا وہ تاریک اور سیاہ باب کھول کر رکھ دیتی ہے جس میں عرب جاہلیت میں عورت کا انتہائی حال تھا۔ قرآن اس بات پر شاہد ہے۔

”ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ اپنے غصے اور رنج و غم کو چھپانے کی کوشش کرتا اور خون کا سا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے اور لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ لوگوں کو کیا اور کیسے منہ دکھائے اور سوچتا ہے کہ ذلت و رسوائی کے ساتھ اس کو رہنے دے یا اس کو مٹی میں دبا دے اور زندہ دفن کردے۔ (النحل: ۵۹)

”اور ان میں سے جب کسی کو اس اولاد (یعنی لڑکی) کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کے چہرے پر سیاہی چھا جاتی ہے۔ (الزخرف: ۱۷)

ایک دوسری جگہ قرآن کہتا ہے: ”کیا ہوگا اس وقت) جب زندہ دفن کی گئی بچیوں سے پوچھا جائے گا۔ کون سے گناہ کے سبب قتل کی گئی تھی؟ اور تجھے کیوں زندہ دفن کر دیا گیا تھا؟“ جب اسلام کا آفتاب اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ افروز ہوا تو اس نے اس ظلم کی تاریکی کو ہمیشہ کے لئے مٹا دیا اور رحمت عالم نے عورت کو اعلیٰ حیثیت اور بلند مقام کے بخش کر در بے نظیر بنا دیا۔

(۱) ”حضرت انسؓ نبی کریمؐ سے روایت کرتے ہیں جس شخص نے دو لڑکیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہوگئیں تو وہ شخص اور میں قیامت میں اس طرح ساتھ ہوں گے جس طرح یہ دونوں انگلیاں آپؐ نے اپنی انگلیاں ملا کر سامنے دیں۔“

اس شخص سے بڑھ کر خوش نصیب کون ہوسکتا ہے جس کو یوم آخرت میں نبی کریمؐ کی رفاقت نصیب ہو جائے۔ وہ لڑکیاں جو کل تک باپ کے لئے باعث شرم و عار تھیں آج ان ہی لڑکیوں کے سبب ان کی پرورش کرنے والوں کو نبیؐ کی رفاقت کی خوشخبری سنائی جا رہی ہے۔ (۲) متفق علیہ روایت ہے۔ نبی کریمؐ نے فرمایا جو کوئی (مرد یا عورت) ان لڑکیوں کے ذریعہ آزمائش میں ڈالا گیا اور اس نے اس کے ساتھ اچھا برتاؤ اور عمدہ سلوک کیا تو یہ لڑکیاں اس کے لئے دوزخ سے آڑ بن جائیں گی۔ (۳) ابو شریحؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: جو شخص ان دونوں کمزوروں، یتیم اور عورت کا حق ضائع کردے، تو اس گناہ سے میں اس کو تاکیدی طور پر ڈراتا ہوں اور زجر و توبیخ کرتا ہوں یہ معمولی گناہ نہیں ہے۔ ان دونوں کے حقوق

(۴) ”ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: عورت کے ساتھ بہتر برتاؤ اور اچھا سلوک کرو یہ میری وصیت اور تاکیدی ہدایت ہے اسے قبول کرو۔“

یہ حکم اپنے اندر بڑی وسعت رکھتا ہے یعنی ہمہ پہلو خیر ہی خیر، حسن سلوک، ہمدردی اور ان کے ساتھ اعلیٰ برتاؤ کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔

(۵) عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا دنیا متاع ہے اور بہترین متاع دنیا صالح عورت (نیک بیوی) ہے۔“ دنیوی زندگی چند روزہ اور فانی سامان زیست ہے اور آخرت بلاشبہ پائیدار اور ابدی گھر ہے۔ دنیا میں زندگی گزارنے کے لئے جس طرح مختلف دیگر اسباب کی ضرورت پڑتی ہے اسی طرح یقیناً عورت مرد کے لئے اور مرد عورت کے لئے دونوں ایک دوسرے کے لئے زندگی گزارنے کے ہی نہیں بلکہ زندگی کے مقاصد حاصل کرنے کے لئے اسباب اور متاع زیست کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر مرد کو ایسی عورت سے سابقہ پڑ جائے جو افکار و نظریات میں معاشرت اور سماجی زندگی میں اخلاق و کردار میں اور زندگی کے دیگر میدانوں اور شعبوں اور مرحلوں میں ایک اچھی عورت کے بجائے کسی چڑیل کا کردار ادا کرے تو زندگی نہ صرف اپنی راحت و سکون سے محروم ہوگی بلکہ مرد اور اس کے خاندان کے لئے بھی وبال جان بن جائے گی۔ عورت متاع ہے مگر خیر المتاع وہ اسی صورت میں ہوگی جب وہ صالح ہو۔ مومنہ ہو۔ اسلام کے مطابق تقویٰ و پرہیزگاری کی زندگی گزارتی ہو۔

بالکل اسی طرح اگر عورت کو ایسا مرد مل جائے جو ان خیالات اور اخلاق اور رہن سہن اور گھریلو زندگی میں لطف اور خوشی کا سبب بننے کے بجائے شیطان یا ظالم کا کردار ادا کرے تو عورت کی زندگی اجیرن ہو کر رہ جائے گی۔

عورت اللہ کی نعمت ہے جس سے انسانیت کا ہر موتی تیار ہوتا ہے عورت جنت کی حور ہے مگر اسی شرط کے ساتھ کہ وہ صالحہ ہو جس طرح نیک عورت مرد کے لئے نعمت ہے اسی طرح نیک مرد بھی عورت کے لئے نعمت ہے۔ قرآن میں سورہ النساء موجود ہے جس کے احکام و تعلیمات ہر عورت خواہ وہ ماں ہو یا بیٹی یا بہن ہو یا بیوی، رشتہ دار خواتین ہوں۔ اجنبی خواتین ہوں، مسلمان ہوں یا غیر مسلم خواہ وہ مخالف پارٹی سے ہی کیوں نہ تعلق رکھتی ہو۔ عورت بحیثیت عورت ہمدردی، خیر خواہی، بہتر برتاؤ، رفاقت، حسن سلوک، اعانت اور شریفانہ برتاؤ کی مستحق ہے۔

اپنے اطراف پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ اب بھی غیر اسلامی معاشروں میں لڑکیوں کو اوّل تو پیدا ہونے ہی نہیں دیا جاتا کہ جدید تکنیک کے ذریعہ اس کی پیدائش پر روک لگا دی جاتی ہے یا پیدا ہونے کے بعد ہی مختلف طریقوں سے اس کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ خصوصاً ہندوستان میں تو عورت کی مٹی ہی پلید ہے۔ جس کی دنیا میں کہیں کوئی اور مثال نہیں۔ اس کی سسکیاں اس کی مثال آپ ہیں مختلف اخبارات میں روزانہ خبریں آتی ہیں۔ نوزائد

دلہن لانے کی غرض سے یا دوبارہ جہیز حاصل کرنے کے لئے یا کسی اور وجہ سے ناراض ہو کر انتقام لینے کے لئے مٹی کا تیل اوپر انڈیل کر نئی دلہنوں کو آگ لگا دی جاتی ہے اس کے علاوہ بیوی کو زندہ جلنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔ اس ظلم کا خاتمہ اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ اللہ کا دین نافذ کیا جائے۔ اس کی پناہ میں آیا جائے۔

اس صنف نازک کو ظلم سے بچانا ہے تو ان کو اسلام کی پناہ میں لانا چاہئے۔ اور دوسروں کو بھی اس کی پناہ میں لانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت ہونا اور مرد ہونا نہ کوئی خوبی ہے اور نہ عیب ہے۔ جو چیز انسان کے اختیار میں نہ ہو اس پر نہ اُسے شاباشی دی جاسکتی ہے اور نہ ہی اس کو ڈانٹا پھٹکارا جائے گا۔ یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے۔ جس میں ہر کسی کو اپنے اپنے فیلڈ کے لحاظ سے اپنے پرچے حل کرتے ہیں۔ کامیابی و کامرانی دنیا میں اور آخرت میں اُسی کو حاصل ہوگی جو خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر چلے گا۔

●●

بقیہ: چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر

کا انتظار کرنا چاہئے جس کے بعد تمام مردے جی اٹھیں گے اور عدل کی میزان قائم کی جائے گی۔ اور پھر ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ کس کا نقطہ نظر درست تھا اور کس نے جحو داور انکار کی ساری سنتیں تازہ کر دی تھیں۔ سورہ حدید کی ایک آیت میں کئی اہم چیزوں کی طرف اہل ایمان کو متوجہ کیا گیا ہے ان چیزوں کو ہم اپنے نظام تعلیم کی بنیاد بنا سکتے ہیں اور ان کو سامنے رکھ کر فکر مدرسی کی اصلاح کر سکتے ہیں۔ اس آیت میں جو باتیں پیش کی گئی ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) ہم نے بھیجا اپنے رسولوں کو نشانیاں دے کر اور ہم نے اتاری ان کے ساتھ کتاب‘ اس فقرہ میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ہم کتاب و سنت کو اپنے نظام تعلیم کی اوّلین بنیاد بنائیں۔

(۲) ”اور میزان تاکہ لوگ قائم رہیں عدل پر‘ میزان سے مراد عادلانہ قوانین ہیں اور پوری شریعت کاملہ بھی مراد ہے۔ قوانین کے لئے قوت نافذہ بھی ضروری ہے اس لئے قوت نافذہ کے حصول کی کوشش مشروع ہوئی۔

(۳) ”اور ہم نے نازل کیا لوہا اس میں بڑی طاقت ہے اور بے شمار فائدے ہیں انسانوں کے لئے“ یہاں لوہا سائنس ٹکنالوجی اور انجینئرنگ کے لئے استعارہ ہے۔ لوہے کے ذریعہ ہی نہ صرف تلوار بلکہ تمام جدید اسلحہ تیار ہوتے ہیں۔ یعنی کتاب وسنت اور فقہ کی طرح سائنس اور ٹکنالوجی کا علم بھی دین کا علم ہے کیونکہ جس خدا نے انسانوں کے لئے پیغمبر بھیجے اور کتاب نازل کی اسی نے انسانوں کی فلاح کے لئے لوہا نازل کیا۔ پھر قرآن کی دوسری آیت میں سامان جنگ کی تیاری یعنی ٹکنالوجی کے حصول کا حکم ہے۔ جب یہ خدا کا حکم ہے تو اس سے تعلق رکھنے والے علوم حقیر

قسم کے دنیوی علوم کیوں کر ہوئے۔ چونکہ مدارس کے طلبہ سائنس کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہوتے اس لئے ثابت ہوا کہ مدارس کا نظام تعلیم اور نصاب تعلیم غیر متوازن ہے اور اس میں توازن پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور توازن پیدا کرنے کے لئے فکر مدرسی کی تشکیل جدید کی ضرورت ہے۔ اس سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ہم سائنس صنعت اور ٹکنالوجی کی اعلیٰ تعلیم کو مدرسہ کے نصاب میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ مدارس دینیہ میں سائنس اور ٹکنالوجی کے تمام مضامین پڑھائے جائیں۔ لیکن یہ ممکن ہے علوم جدیدہ کا بنیادی تعارف کروایا جائے۔ طلبہ اور اساتذہ کا نقطہ نظر درست کر دیا جائے اور زمانہ کا شعور پیدا کر دیا جائے اور فراغت کے بعد ان کو تبدیل شدہ ماحول میں بھی بغیر کسی احساس کمتری کے موثر انداز میں کام کرنے کا لائق بنایا جائے۔ اس کے لئے انگریزی زبان پر اچھی دست رس حاصل کرنے کے مواقع بہم پہنچائے جائیں۔ انگریزی زبان کو نصاب کا جزء بنایا جایا جائے۔ انگریزی زبان میں اور ملک کی مقامی زبان میں اسلامی موضوعات پر تقریر کرنے کی مشق کرائی جائے۔

زندگی کے کشت زار کو سمجھنے کے لئے اور ان سے روشناس ہونے کے لئے ضروری ہے کہ عصری رجحانات اور جدید سائنس کے نظریات پر مدرسوں میں توسیعی خطبات کا انتظام کیا جائے۔ توسیعی خطبات کے لئے بلا امتیاز مذہب و ملت ماہرین علوم کا انتخاب کیا جائے۔ نصاب تعلیم سے ہٹ کر مطالعہ کے لئے ایسی کتابوں کی فہرست بنائی جائے جس سے طلبہ کا ذہنی افق وسیع ہو اور اس مطالعہ کو یقینی بنانے کے لئے ان کا امتحان بھی لیا جائے۔

●●

طبقہ علماء پر اعتراضات، کچھ تلخ مگر ناقابل تردید حقائق

ابراہیم علی حسن-کنیڈا
shaikibrahimali@yahoo.com

دعوت ۱۹ اپریل میں محترم عبدالحنان سیوانی ندوی کا مضمون ”طبقہ علماء پر اعتراضات کا جائزہ“ دینی مدارس اور علمائے دین سے محبت رکھنے والوں کے درد کا اظہار اور نام نہاد جدیدیت کے علمبرداروں کی دینی مدارس اور علمائے دین پر آئے دن کی جانے والی بیجا تنقیدیوں کا بہت ہی مدلل اور بے لاگ جائزہ تھا۔ مگر اس بات سے انکار بہرحال نہیں کیا جاسکتا کہ امت مسلمہ اور دین اسلام کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کا موثر جواب دینے میں دینی مدارس اور ان سے فارغ ہونے والے طلبا کا کردار وہ نہیں رہا جس کی اس سے توقع کی جاتی ہے۔

مسلمانوں اور اسلام کی نمائندگی کرنے کا منصب جس پر دینی مدارس اور ان سے فارغ ہونے والے طلباء فائز ہیں۔ اس بات کا متقاضی تھا کہ ہر محاذ پر لادینی اور الحاد پسند گوشوں اور باطل طاقتوں کی جانب سے اسلام پر کئے جانے والے رکیک حملوں کا منہ توڑ جواب دیا جاتا اور لادینی اور باطل نظریات کا کھوکلا پن اسلام کے آفاقی نظام زندگی سے موازنہ کر کے ثابت کر دیا جاتا۔ مگر اس محاذ پر دینی مدارس اور ان سے فارغ ہونے والے طلباء کا رول خاصا مایوس کن ہی نہیں بلکہ حوصلہ شکن رہا ہے۔ اگر انگریزی داں اور یونیورسٹیوں سے فارغ اور جدید علوم سے بہرہ ور مسلمان دانشوروں نے اس محاذ پر کچھ کام کرنے کی کوشش کی بھی تو ان پر جدیدیت پسند اور روشن خیال، کا لیبل لگا کر رد کر دیا گیا۔ انہیں سرے سے اسلامی تعلیمات سے نابلد قرار دے کر کفر کے فتوے تک لگائے گئے۔ اور عوام الناس کو یہ باور کروایا گیا کہ کسی دینی مدرسے سے سند فراغت حاصل کئے بغیر اگر کسی نے اسلامی تعلیمات کی توضیح وتشریح کرنے کی کوشش کی تو وہ گمراہ ہے۔ اسے علمی بددیانتی کہئے گا کہ عالمانہ چودہراہٹ، کہ مستند حوالوں اور تاریخی شواہد کے ساتھ کی گئی تحقیق تک کو نہ صرف رد کر دیا گیا بلکہ ان کے خلاف باضابطہ مہم چھیڑ دی گئی کہ عام مسلمان ان سے برانگیختہ ہو جائیں اور ان کی تائید وحمایت کریں نہ ان کی باتوں پر کان دھریں۔ گویا یہ اصول بنا دیا گیا کہ اگر کوئی فلاں اور فلاں مدرسے کا فارغ ہو تو فہما، ورنہ اس کی کسی بات کا اعتبار نہیں۔

شعور دین کو مخصوص مدارس سے سند فراغت سے جوڑ دیا گیا اور کھل کر یہ تک کہا جانے لگا کہ فلاں کی کتابیں پڑھو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ بلکہ یہاں تک کہہ دیا جاتا ہے کہ قرآن کی صرف تلاوت کی جائے۔ اس کو سمجھنا اور اس کی آیات میں غور وفکر صرف علماء کے شایانِ شان ہے۔ عام مسلمان قرآن اور حدیث سے استفادہ کرنا چاہتے بھی ہوں تو ان کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔ اور یہ سب کارنامے کوئی مخالف جدید تعلیم یافتہ دانشوران نہیں بلکہ مدارس سے فارغ ہونے والے فاضل حضرات سے منسوب ہیں۔ ایک صاحب نے یہ تک کہا کہ قرآن بددعا دیتا ہے اگر اسے وہ سمجھنے کی کوشش کریں جو اس لائق نہیں ہیں۔

پتہ نہیں ان کی اس منطق کی بنیاد کیا ہے۔ جب کہ قرآن واضح الفاظ میں اعلان کرتا ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔ ہے کوئی جو نصیحت حاصل کرنا چاہے؟ (سورۃ القمر) یقیناً مدارس سے سند فراغت حاصل کرنے والوں کو پینٹ شرٹ پہننے کے لئے نہیں کہا جائے۔ لباس ہر شخص کے اپنے ذوق پر منحصر ہے۔

مگر پینٹ شرٹ پہننے والوں کو (جن کا لباس کسی بھی طرح لباس کے اسلامی آداب سے آزاد نہیں ہے) محض ان کے پینٹ شرٹ پہننے سے قرآن پڑھنے اور پڑھانے سے منع کرنا کہاں سے وضع کیا گیا اصول ہے؟ مدرسے کے سند یافتہ ہم نہیں مگر قرآن وحدیث کو ضرور ہم نے پڑھا ہے اور مختلف تفاسیر اور احادیث کی شرحوں کے پڑھنے کے باوجود کہیں یہ نکتہ نظر سے نہیں گزرا کہ مخصوص وضع قطع اور لباس قرآن پڑھنے اور پڑھانے کے لئے ضروری ہے۔ بلکہ تعلیم تو یہ دی گئی کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں (حدیث)۔ ایک مدرسے سے فارغ اور قرآن کے حافظ حضرت نے محض اس بات پر مسجد میں ہنگامہ کھڑا کر دیا کہ جو صاحب قرآن کا درس دینے کے لئے لوگوں کے درمیان بیٹھے ہیں وہ پینٹ شرٹ پہنے ہوئے ہیں۔

ایک صاحب کو محض اس بات پر خطبہ جمعہ دینے سے روکنے کی کوشش کی گئی کہ وہ پینٹ شرٹ پہنے ہوئے تھے۔ اور یہ منطق ایک موقر دینی مدرسے سے سند یافتہ عالم وفضال شخصیت کی جانب سے سامنے آئی۔ بعد میں مصلیان مسجد کا تاثر یہ تھا کہ خطبہ جمعہ قرآن وحدیث کے مستند دلائل کے ساتھ پینٹ شرٹ پہنے ہوئے صاحب نے جس طرح دیا اس طرح کبھی خود ان عالم صاحب نے بھی نہیں دیا تھا۔ وہ ’خطبات موعظت‘ دیکھ کر پڑھ دیا کرتے ہیں۔ کبھی موقع کی مناسبت سے مسائل کی تشریح وتوضیح خطبہ جمعہ کے موقع پر نہیں کی گئی۔ اللہ عالم مافی الصدور ہے ان مثالوں کو قطعاً کج بحثی پر محمول نہ کیا جائے۔ مشاہدے کی بنیاد پر کچھ مثالیں بات کی وضاحت کے لئے عرض کر دی گئیں، تضحیک مقصود نہیں۔

دینی مدارس کو یونیورسٹیوں میں بدلنے کی بات بے بنیاد ہے۔ ”جامعہ“ ہر دینی مدرسے کے نام کا حصہ ہوتا ہے۔ اسی اصطلاح ”جامعہ“ کو انگریزی زبان میں یونیورسٹی کہا جاتا ہے۔ محض زبان کی بنیاد پر کسی اصطلاح کو شجر ممنوعہ کیوں قرار دیا جاتا ہے؟ اگر کسی دردمند نے دینی مدارس کے نصاب کو عصری علوم سے بھی لیس کرنے کا مشورہ دے دیا تو اس میں چراغ پا ہو جانے کی کیا توجیہ ہوسکتی ہے؟ اور اس حقیقت سے بھلا کیسے انکار کیا جاسکتا ہے کہ دینی مدارس سے فارغ ہو کر نکلنے والے فاضل طلبا عصری علوم سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ (معدودے چند دینی مدارس ایسے ہیں جہاں صورتحال کچھ مختلف ہے) انٹرنیٹ پر اگر قرآن کی غلط تصویر پیش کی جا رہی ہے تو کتنے دینی مدارس سے سند یافتہ لوگ انٹرنیٹ کے ماہرین ہیں جو اس کا سدباب کر سکیں یا کم از کم انٹرنیٹ پر اس کے جواب میں صحیح مواد پیش کر سکیں؟

دینی مدارس میں علوم دین کے ساتھ ساتھ اگر طلباء کو ان رائج الوقت عصری علوم سے واقف کروانے کی بات کی جائے تو کیوں اس قدر منفی انداز میں لی جائے؟ اگر ۵۷ مسلم ملک ہیں اور وہاں اسلامی نظام نہیں ہے کہ جہاں علماء کی بات فیصلوں پر اثر انداز ہوسکتی تو ۵۷ میں سے کتنے ایسے ممالک ہیں جہاں علماء کی طرف سے کوئی تحریک نظام اسلامی کے احیا کی خاطر چلائی گئی ہو؟ ہاں اگر کسی گوشے سے اس کی کوشش ہوئی تو اسے سیاست کہہ کر نظر انداز کرنے کی مثالیں ضرور طبقہ علما کی طرف سے ملیں گی۔

دینی مدارس سے نکلنے والے طلباء کا ذہن ہی ایسا بن جاتا یا بنایا جاتا ہے کہ سیاست کو اسلام سے قطعاً الگ سمجھ کر اس سے گریز کرنے ہی کو عین تقویٰ کا حصہ سمجھا جاتا ہے اور سیاست میں دینی مدارس اور طبقہ علما بھی دلچسپی لیں تو اپنے حلقہ کے اور مسلک و مکتب فکر کے افراد کے علاوہ دوسرے ملی اداروں اور افراد سے تعاون کی بجائے اپنا الگ راستہ متعین کر کے ناعاقبت اندیشانہ رویہ سے امت کے مفاد عامہ اور نظام اسلامی کے احیا کے مغائر کام کر جاتے ہیں۔ اس میں عصری علوم سے دوری اور حالات حاضرہ کے مناسب اور بروقت تجزیہ کی صلاحیت کے فقدان کو بڑا دخل ہے اور یہ دینی مدارس کے روایتی نصاب میں کسی بھی قسم کے جدید علوم اور نظریاتی علوم کو شامل کرنے سے احتراز ہی کا شاخسانہ ہے) دینی مدارس کے بیشتر فارغین کا رویہ اِتَّقُوْا فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِنْ کی عین ضد نظر آتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے اور ماضی قریب میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں کہ علماء نے انتہائی نازک حالات میں لوگوں کی ہر محاذ پر رہنمائی کی ہے۔ اور فی زمانہ بھی یقیناً ایسے علماء حق کی کمی نہیں ہے جو یہ کام کئے جا رہے ہیں۔ مگر من حیث المجموع دینی مدارس کا اور ان سے نکلنے والے فاضل علماء کا وہ رول نہیں ہے۔ جو مطلوب ہے اور جس کی اشد ضرورت ہے۔ اس میں یقیناً مدارس کے نظام تعلیم کا قصور نہیں لیکن تجدید اور عصری علوم سے مطابقت پیدا کرنے کا مشورہ یک قلم رد نہیں کیا جاسکتا۔ دینی مدارس سے فارغ ہونے والے اور فاضل علماء کا رویہ بھی عام مسلمانوں اور خصوصاً امت کے باشعور اور دردمند عصری علوم کے ماہرین کی نظروں میں غلط تاثر قائم کرنے کا باعث بن رہا ہے۔ دینی مدارس کوئی مشترک پلیٹ فارم بنا کر سند فراغت پا کر نکلنے والے طلبا کی مسلسل تربیت کا نظام قائم کریں تو مفید نتائج برآمد ہوسکتے ہیں۔ اور علماء کو معاشرے کے ہر محاذ پر امت کی صحیح قیادت کے لئے تیار کیا جاسکتا ہے۔ محض دو رکعت کے امام والا تاثر مٹا کر امت کی امامت وقیادت کا امین بنایا جاسکتا ہے۔ جس طرح کالج اور یونیورسٹی سے فارغ طلبا کے Professional Development لئے اور شخصیت کے ارتقاء کے لئے مختلف پروگرام بنائے جاتے ہیں۔

علماء اور دینی مدارس سے فارغ طلباء کے لئے بھی ایسے پروگرام ترتیب دیئے جائیں۔ عربی اور اُردو کے علاوہ علاقائی اور جدید زبانوں خصوصاً انگریزی کی تربیت دی جائے۔ Communication Skills بڑھائی جائیں کہ میڈیا میں اسلام کی صحیح تعلیمات یہ دینی مدارس سے فارغ علماء پیش کر سکیں۔ اسلامی تعلیمات اور شعائر کے بارے میں غلط پروپگنڈے کا موثر اور منہ توڑ جواب دے سکیں۔

جدید نظریات اور مختلف باطل نظام ہائے زندگی کی مکمل معلومات ان کو بہم پہنچائی جائیں کہ اسلامی تعلیمات سے ان کا موازنہ کر کے اسلامی کی نظریاتی برتری ان پر ثابت کرنے اور دین اسلام کو متبادل کے طور پر پیش کرنے کا کام پھر جس احسن طریقے سے علما اور دینی مدارس سے فارغ طلبا کر سکتے ہیں کوئی اور انجام نہیں دے سکتا۔ ابنائے قدیم (Allumni) طرز کی انجمنیں بنا کر ان کو منظم کر کے ان کی مسلسل تربیت کے علاوہ ان کو ضوابط کا پابند بھی بنایا جائے کہ بعض افراد کی غلطیاں اور غیر ذمہ دارانہ رویہ علما اور دینی مدارس سے عام لوگوں کی بیزاری کا باعث نہ بنے۔

جدید علوم کے ماہر اسکالر اور دانشوروں کے دینی شعور اور دینی معلومات کو نظر انداز کرنے کا رویہ ترک کیا جائے اور ان سے تعاون کرتے ہوئے اور ان کا تعاون لیتے ہوئے دین اسلام کی برتری اور اس کا برحق ہونا اس طرح ثابت و مبرہن کیا جائے کہ باطل نظریات کا کھوکھلا پن واضح ہو جائے۔

آئینِ نو سے ڈرنا طرزِ کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

●●

بیٹیوں اور بہنوں کو وراثت میں پورا حصہ دیا جائے

ڈاکٹر مرضیہ عارف/بھوپال

آج دنیا ۲۱ ویں صدی میں جی رہی ہے اور اس میں سانس لینے والے لوگ کمپیوٹر اور الیکٹرانک کے عہد میں زندگی گزار رہے ہیں۔ آج کا انسان اپنے بے پناہ علم اور غیر معمولی ترقی پر نازاں ہے، طرح طرح کے وسائل نے اس کو اتنی آسانیاں مہیا کردی ہیں کہ وہ دنیا کے ایک سرے سے دوسرے تک بآسانی جاسکتا ہے۔ زمین کے سینے میں کون سی دولت چھپی ہے یہ انسان کی نظر سے پوشیدہ نہیں اس نے پہاڑوں کو زیر کیا اور دریاؤں کے رُخ پھیر دیے ہیں آج وہ ہواؤں کو مسخر کرکے چاند ستاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے۔

لیکن یہ تصویر کا ایک رُخ ہے، دوسرا پہلو یہ ہے کہ اپنی تمام ترقیات کے باوجود بھی انسان اگر کسی سے سہا ہوا ہے تو وہ دوسرے جہاں کی مخلوق نہیں خود انسان ہے، جو رنگ، نسل، مذہب اور قومیت کے نام پر اپنے جیسے انسانوں کا خون بہا رہا ہے اور اس کی وجہ سے یہ خوشنما و خوش رنگ دنیا جہنم بنتی جارہی ہے، کہیں ملکوں کی سرحدوں کو لے کر، کہیں ذات پات کی بنیاد پر، کہیں زبان اور علاقہ کے سوال پر آج جو وحشیانہ ٹکراؤ ہو رہا ہے اس نے انسانوں کو اپنے جیسے انسانوں سے خوفزدہ کردیا ہے۔ ہندوستانی سماج میں شادی بیاہ کے موقع پر آج جس طرح دولہا کو خریدا اور بیچا جارہا ہے یا جہیز کا مطالبہ پورا نہ ہونے پر جس بے دردی سے بہوؤں کو مارا جارہا ہے، اس نے گوتم، چشتی، نانک، گاندھی، نہرو اور آزاد کی اس سرزمین کو پوری دنیا میں بدنام کردیا ہے، جس دیش کی رواداری اور اہنسا سے محبت کے بڑھ چڑھ کر نعرے لگائے جاتے ہیں وہاں "جہیز کا آتش فشاں" بھڑک رہا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ہر سال آٹھ ہزار لڑکیاں اس کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں جو فرقہ وارانہ فسادات میں ہلاک ہونے والوں یا دہشت گردی کا شکار ہونے والوں سے بھی بڑی تعداد ہے اور قابل غور بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ اس سماج میں ہورہا ہے جہاں جہیز لینے کو جرم قرار دینے والا قانون موجود ہے لیکن یہ قانون مجرموں کو سزا دینے یا ان کے دل میں قانون کا خوف پیدا کرنے میں ناکام ہے کیونکہ اس سماجی برائی کو سماج کے نام نہاد اجارہ داروں کا تحفظ حاصل ہے وہ اس پر آج اس ڈر یا مصلحت سے غور کرنے پر آمادہ نہیں کہ کہیں وہ خود نہ مجرم بن کر کھڑے ہوجائیں۔ سیٹلائٹ، خلائی راکٹ اور میزائل داغ کر ایک شاندار قوم ہونے کا جو بھرم انہوں نے قائم کردیا ہے کہیں وہ نہ ٹوٹ جائے، اسی لئے جہیز کی برائی کو جو دن بدن سنگین بنتی جارہی ہے کافی کم کرکے دیکھا جارہا ہے اور اس کے خلاف قانون کا رول کیا ہے کسی کی نظر اس طرف نہیں جاتی، حالانکہ جہیز کا مطالبہ کرنے والے چند سسرال والوں کو عبرت ناک سزائیں مل جائیں یا دس پندرہ لڑکوں کے والدین کو ایسے جرم کے بدلے میں جیل ہوجائے تو جہیز کا لالچ کرنے والوں میں یقیناً خوف و ہراس پیدا ہوجائے گا۔ آئے دن ایسے واقعات ہونے کا ایک سبب یہ ہے کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جرم کرکے قانون کی آنکھ میں دھول جھونکنا کچھ زیادہ مشکل نہیں، دوسرے جس سماج میں جہیز کے لئے مظالم ہورہے ہیں وہ بظاہر تو عورت کو مردوں کی برابری کا درجہ دیتا ہے مگر حقیقت میں اس کے نزدیک عورت کی حیثیت ایک اسکوٹر، موٹر سائیکل، ٹی وی سیٹ، فریج اور کار سے بھی کم ہے اس لئے جب لڑکی کے میکے والے یہ مطالبات پورے نہیں کرپاتے تو لڑکی کو مختلف مظالم کا شکار بنایا جاتا ہے یا پھر راستہ سے ہٹا دیا جاتا ہے۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر سماج کو عورتوں، بہوؤں اور لڑکیوں کی حفاظت کرنی ہے تو پہلے سماج کے ڈھانچہ میں پائی جانے والی خرابیوں کو دور کرنا چاہئے، قدامت اور روایت پرستی کی زنجیر میں جکڑے ہوئے سماج کے لئے یہ ایک بڑا صبر آزما کام ہے، خصوصاً ایسے وقت میں جب قدریں مٹ رہی ہوں اور سماج کی اصلاح کی ذمہ داری بھی پیشہ ور سیاست دانوں نے سنبھال رکھی ہو۔

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ جہیز کیا ہے؟ جہیز کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ لڑکی کے ماں باپ جنہوں نے اس کو پال پوس کر بڑا کیا وہ شادی کی ذمہ داری سے فارغ ہوتے ہوئے یا گھر سے لڑکی کو رخصت کرتے ہوئے کچھ تحفے دیتے ہیں یہ اپنی اولاد سے محبت و تعلق کی بناء پر ان کا فطری عمل ہے۔ ہندوستان میں جہیز کی روایت نئی نہیں ہے۔ صدیوں پرانی ہے مگر اس کی آج جو حالت ہوگئی ہے وہ پہلے کبھی نہیں تھی۔ یہ ماں باپ کی طرف سے ایک تحفہ ہوا کرتا تھا اب سسرال والوں کی طرف سے فرمائش بن گیا ہے اور اس کے پورے نہ ہونے پر ظلم وزیادتی کی جاتی ہے۔ کئی برادریوں میں تو اب شادیاں اسی بنیاد پر طے ہونے لگی ہیں کہ لڑکی کے ساتھ کتنا مال و اسباب ملے گا یا نقد رقم کتنی ہوگی؟

یہی وجہ ہے کہ جہیز جو پہلے ایک سماجی رسم تھی آج ایک جبر بن گیا ہے۔ لوگوں میں ناجائز طریقے سے دولت کمانے کا جنون سوار ہے، جہیز اس کا نقطہ عروج بن گیا ہے۔ اس لئے کالی دولت کی تلاش کے واسطے جس طرح چھاپے مارے جاتے ہیں جہیز کے ناجائز کاروبار کو ختم کرنے کے لئے بھی ایسی سخت کارروائی کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کے لئے بنائے گئے امتناع جہیز قانون میں مناسب ترمیم کرکے زیادہ چاق وچوبند بنانا بھی مفید ہوگا کیونکہ پرانے قانون کی نوعیت کچھ اس طرح کی ہے کہ پولیس جہیز کے لین دین کی نہ تو نگرانی کرتی ہے نہ اس طرح کی ابتدائی شکایتوں کا اس کی طرف سے کوئی نوٹس لیا جاتا ہے اور اگر کسی کی شکایت پر معاملہ عدالت میں جاتا ہے تو برسوں اس کا فیصلہ نہیں ہوتا حالانکہ ہونا یہ چاہئے کہ جہیز کے لین دین کو نئے قانون کے تحت باعث سزا جرم قرار دیا جائے۔ جس کا مطالبہ مختلف تنظیموں کی طرف سے مسلسل ہورہا ہے۔

جہیز جیسی سماجی بیماری کا دوسرا علاج یہ ہے کہ اس مرض کے خلاف سماج میں بیداری لائی جائے۔ لڑکی کے ماں باپ یہ عہد کریں کہ وہ خود جہیز نہیں دیں گے اور جو جہیز کا مطالبہ کریں گے ان کا سماجی بائیکاٹ کیا جائے گا۔ لوگوں کو یہ بھی بتایا جائے کہ جہیز مانگنا ہی جرم نہیں اپنی حیثیت سے بڑھ کر جہیز دینا یا اپنی جائداد فروخت کرکے جہیز کے مطالبات پورے کرنا یا نام ونمود اور شہرت حاصل کرنا بھی ایک اخلاقی جرم ہے اور اس عمل سے دوسروں کو جرم کرنے کی ترغیب ملتی ہے لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک طرف تو سماج سدھار اور اصلاح معاشرہ کے لئے کام کرنے والی تنظیموں کی طرف سے جہیز لینے والوں کے خلاف رائے عامہ ہموار کی جائے دوسری جانب ماں باپ اور بھائی بھی اپنی اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو وراثت میں حصہ دیں۔ ساتھ ہی انہیں اس لائق بھی بنائیں کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑی ہوں یا آڑے وقت میں کوئی کام کرسکیں، اپنے ماں باپ پر بوجھ نہ بنیں اور سسرال جاکر ان کی اہمیت میں اضافہ ہو۔ اس طرح اس بے حس سماج کو جہیز کے خلاف کھڑا کیا جاسکے گا۔ جس نے کبھی رضیہ سلطان، نور جہاں، حضرت محل، جھانسی کی رانی، سروجنی نائیڈو اور اندرا گاندھی کو جنم دیا تھا۔

●●

ڈنمارک، یورپ کی خوشحال ریاست

ڈاکٹر ساجد خاکوانی

جوٹ لینڈ نامی جزیرہ نما پر مشتمل ڈنمارک یورپ کا ایک خوشحال ملک ہے۔ اس کا کل رقبہ کم وبیش ساڑھے سولہ ہزار مربع میل ہے جس میں متعدد چھوٹے بڑے جزائر اور مختلف جزیرہ نما بھی شامل ہیں۔ "کوپن ہیگن" یہاں کا دارالحکومت ہے جو "زیلینڈ" نامی جزیرے پر واقع ہے۔ ڈنمارک کا خشکی کے راستے یورپ سے رابطہ صرف پیالیس میل کی پٹی کی سرحد ہے جو جرمنی سے ملتی ہے۔ اس کے علاوہ ڈنمارک کے چاروں طرف سمندر کا پانی ہی ہے۔ یہ گرین لینڈ کے گزشتہ باسیوں کا ملک ہے جو زمانہ قدیم میں جانوروں اور مچھلیوں کے شکار پر گزارہ کیا کرتے تھے۔ یہ بنیادی طور پر زیریں سطح کی سرزمین ہے اور سطح سمندر سے زیادہ سے زیادہ سو فٹ ہی بلند ہے۔ ڈنمارک کی سب سے بلند جگہ اس کے مشرقی حصے کی ایک پہاڑی ہے جس کی کل بلندی کل ۵۶۸ فٹ اور یہ ملک کا سب سے بلند مقام ہے۔ "گدینہ" یہاں کا سب سے بڑا دریا ہے جو کم وبیش ایک سو میل طوالت تک بہتا ہے اور ایک جھیل سے نکلتا ہے۔ یہاں بہت سی جھیلیں بھی ہیں اور سب سے بڑی جھیل "آری" ہے جو کم وبیش ۱۶ مربع میل کے رقبے پر پھیلی ہے۔ یہاں ۶۰ فی صد زمین زراعت کے لیے بہت عمدہ گردانی جاتی ہے۔ یہ ایک سرد آب وہوا کا ملک ہے جہاں سارا سال صفر سے سولہ درجے سینٹی گریڈ تک درجہ حرارت رہتا ہے اور ملک کے بیشتر حصوں میں برف بھی جمی رہتی ہے اور بارشیں بھی تقریباً سارا سال ہی جاری رہتی ہیں۔

یہاں کی آبادی میں اکثریت مقامی لوگوں کی ہی ہے، بہت کم تعداد میں جرمن، یہودی اور پولینڈ کے قبائل یہاں آباد ہوئے لیکن ۱۹۸۰ء کی دہائی میں یوگوسلاویہ، ترک، ایرانی اور پاکستانیوں کی ایک کثیر تعداد یہاں پر آباد ہوئی۔ "ڈینش" یہاں کی قومی زبان ہے۔ پہلے جرمن بہت بولی جاتی تھی لیکن اب جرمن کی جگہ انگریزی نے لے لی ہے اور پڑھے لکھے لوگ انگریزی بولنا پسند کرتے ہیں۔ ڈنمارک کے قانون میں مذہبی آزادی کی ضمانت دی گئی ہے چنانچہ سب سے بڑا مذہب عیسائیت ہے اور یہودیوں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد یہاں موجود ہے۔ آبادی میں اضافے کی شرح فقط 0.28 فیصد ہے اور شرح خواندگی ۹۹ فیصد ہے۔ یہاں کا معیار زندگی بہت بلند ہے اور ملک کی آبادی کو تقریباً تمام بنیادی سہولیات میسر ہیں۔ ڈنمارک کا شمار دنیا کی خوشحال ریاستوں میں ہوتا ہے۔ یہاں کی آبادی زیادہ تر تجارت اور صنعت سے وابستہ ہے ملک کی صرف چھ فیصد آبادی زراعت کا شغل رکھتی ہے۔ ڈنمارک کے باشندے پورے اسکنڈے نیویا میں بغیر ویزے کے سفر کرتے ہیں انہیں ان ممالک کے درمیان آزادانہ تجارت کی سہولت میسر ہے اور لیبر ورک کے لئے وہ کئی ممالک کا سفر بغیر کسی رکاوٹ کے کرسکتے ہیں اور رقومات کی بلا روک ٹوک منتقلی کی سہولیات وہاں کے شہریوں کو حاصل ہیں۔

ڈنمارک میں انسانی قدموں کے نشان ۱۲۰۰۰ سال قبل مسیح میں ملتے ہیں، اس دور کو پتھر کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ ۴۰۰۰ سال قبل مسیح میں یہاں کھیتی باڑی شروع ہونے کے آثار ملتے ہیں۔ ۳۵۰۰ سال قبل مسیح میں تیار ہونے والے وہ کمرے دریافت ہوئے ہیں جو زیر زمین بنائے گئے تھے اور ان میں مردوں کو دفن کیا جاتا تھا۔ ۲۸۰۰ء سال قبل مسیح میں بنی ہوئی انفرادی قبروں کے آثار آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ ۱۸۰۰ء قبل مسیح کے زمانے کی لڑائی کے ہتھیار بھی یہاں کی کھدائیوں کے دوران دریافت ہوئے ہیں۔ ۵۰۰ قبل مسیح میں ڈنمارک میں ایسی بستیوں کا پتہ چلتا ہے جو کسانوں کی تھیں اور امیر کسان ایک ایک سو فٹ لمبائی کے گھروں میں رہائش پذیر تھے۔ ۴۰۰ عیسوی تک یہاں آبادی کی کثرت کا پتہ چلتا ہے اور یہاں کے لوگوں نے اس وقت تک رومیوں کے ساتھ تجارتی تعلقات استوار کر لئے تھے، اس کے بعد وہاں پر خاندانی بادشاہت کا نظام تب سے آج تک کسی نہ کسی صورت میں رائج ہے۔

ڈنمارک میں قدرتی وسائل نہ ہونے کے برابر ہیں، انیسویں صدی میں یہاں بہت غربت تھی تب زراعت کے ادارے بنائے گئے جہاں کسانوں کو زرعی پیداوار بڑھانے کے طریقے سکھائے گئے اور اس کے ساتھ ساتھ پڑھے لکھے مزدور بھی پیدا کئے گئے، زراعت کے ساتھ ساتھ ان اقدامات کے نتیجے میں دودھ مکھن، انڈے، گوشت اور ان سے وابستہ جانوروں کی افزائش میں بھی بڑھوتری ہوئی۔ بیسویں صدی کے وسط تک زراعت کے باعث یہاں کے حالات بہت بہتر ہوگئے۔ اس کے بعد یہاں کی حکومت نے صنعتوں پر بھرپور توجہ دی اور تعلیمی اداروں سے ماہر مزدور پیدا کئے۔ اب یہاں لوہے اور لکڑی کی بنی چیزیں، خوراک، کاغذ، کپڑا اور مشینری کی بہت بڑی بڑی صنعتیں قائم ہیں جنہوں نے اس ملک کی خوشحالی کو دوبالا کردیا ہے۔ یہاں شہروں اور دیہاتوں تک سڑکوں کا بہت بڑا جال تعمیر کیا گیا ہے جس کے باعث مصنوعات کو منڈیوں تک پہنچانے کا کم سے کم وقت میں انتظام ہوجاتا ہے، یہاں کی سڑکوں کو تیز رفتار بنانے کے لئے بڑے بڑے پل اور لمبی لمبی سرنگیں بھی تعمیر کی گئی ہیں جہاں سے ٹریفک کسی رکاوٹ کے بغیر تیزی سے گزر جاتی ہے، ڈنمارک میں سڑکوں کے ساتھ ساتھ سائیکل سواروں کے لئے الگ سے ایک راستہ بنایا جاتا ہے۔ انیسویں صدی کے نصف آخر میں یہاں ریلوے لائن بھی بچھادی گئی تھی۔

ڈنمارک میں ۵/جون ۱۹۵۳ء کا آئین نافذ ہے جس کے مطابق ۱۷۹ اراکین مل کر قانون سازی کرتے ہیں، ان منتخب اراکین میں ملک کے تمام حصوں کی نمائندگی ہوتی ہے۔ وزیر اعظم حکومت کا سربراہ ہوتا ہے۔ جو اپنی معاونت کے لئے وزراء کی ایک محدود تعداد کو اپنے ساتھ ملاتا ہے، ڈنمارک میں قانون سازی کے لئے ایک ہی ایوان ہے۔ ڈنمارک میں "محتسب" کا بھی کامیاب تجربہ کیا گیا ہے جس کا تصور انہوں نے تاریخ اسلام سے لیا، ڈنمارک میں چودہ صوبے اور ۲۷۵ میونسپلٹیز ہیں۔ ۱۸ سال کی عمر کے سب لوگ انتخابات میں حصہ بھی لے سکتے ہیں اور انتخابات میں کھڑے بھی ہوسکتے ہیں۔ ڈنمارک میں انتخابات متناسب نمائندگی کی بنیاد پر ہوتے ہیں، جو پارٹی جتنے فیصد ووٹ لیتی ہے قومی اور مقامی منتخب اداروں میں اتنی فیصد نشستیں اسے مل جاتی ہیں، انتخابات چار سالوں کی مدت کے لئے منعقد ہوتے ہیں لیکن آئین کے مطابق وزیر اعظم منتخب اسمبلیوں کو کسی بھی وقت تحلیل کرسکتا ہے۔ ملک میں دو ہائی کورٹس اور ایک سپریم کورٹ بھی ہے اور میونسپلٹی کی سطح پر متعدد پولیس کورٹس بھی ہیں۔

●●

اترپردیش فلاح عام سوسائٹی کا ٹیچر ٹریننگ کیمپ ۵/جون سے

لکھنؤ- اترپردیش فلاح عام سوسائٹی دارالاسلام مولوی گنج لکھنؤ کی جانب سے ہر سال ریاست کے کسی مقام پر ٹیچرس ٹریننگ کیمپ کا انعقاد کیا جاتا ہے، امسال سوسائٹی کا یہ ۲۵ رواں سالانہ کیمپ ۵/تا ۲۱/جون ۲۰۰۹ء درسگاہ اسلامی زکاتی محلہ بریلی شہر میں منعقد ہوگا۔ کیمپ کی تیاریوں کا آغاز ہوچکا ہے۔ اس کیمپ میں شرکت کے خواہش مند اساتذہ اپنی درخواستیں سوسائٹی کے دفتر واقع دارالسلام مولوی گنج لکھنؤ کے پتہ پر ۱۵/مئی ۲۰۰۹ء تک ارسال کرسکتے ہیں۔ شرکاء کا انٹرمیڈیٹ یا عالم ہونا ضروری ہے۔ بغیر درخواست کی منظوری کے سفر کا قصد نہ فرمائیں۔ قیام وطعام کا نظم حسب سابق سوسائٹی کی جانب سے ہوگا۔

بقیہ: کیا معافی کا سلسلہ اور دراز ہوگا؟

پائی تھی کہ ایک اور رپورٹ سامنے آگئی۔ امریکی سینیٹ میں ایک مبسوط رپورٹ پیش کی گئی ہے جو ۲۳۲ صفحات پر مشتمل ہے اس کا تعلق بھی اسی طرح کے واقعات سے ہے۔ ان سے یہ معلوم ہوا ہے کہ اس میں سی آئی اے کے افسران اور اہل کار ہی ملوث نہیں تھے بلکہ بش انتظامیہ کے بڑے بڑے نام اس میں شامل ہیں جن میں سابق وزیر خارجہ کنڈولیزا رائس، سابق وزیر دفاع ڈونالڈ رمس فیلڈ اور ان کے نائب پاول وولفووٹز کے نام شامل ہیں۔ اس میں کہا گیا ہے کہ تشدد کا طریقہ ان کے کہنے پر اختیار کیا گیا تھا اور اسے ان کی باقاعدہ منظوری حاصل تھی۔ اس سے پال وولفووٹز کا دعویٰ بھی غلط قرار پاتا ہے۔ جس میں انہوں نے کہا تھا کہ قیدیوں کے ساتھ ناروا سلوک نچلی سطح کے بعض افسروں کی کارروائی تھی، اعلیٰ سطح پر اس کی منظوری نہیں دی گئی تھی، کیا صدر اوباما معاف کرنے کے سلسلے کو یونہی دراز کرتے رہیں گے اور سینیٹ کی اس رپورٹ میں جو شواہد سامنے آئے ہیں اس سے بھی آنکھیں موندلیں گے۔

●●

امریکہ کو اس پر غور کرنا چاہئے

محمد آصف ریاض

جب کوئی شخص یا کوئی سماج یا کوئی ملک غلط راستے پر چل پڑتا ہے اور کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑتا تو وہ سوچنے لگتا ہے کہ وہ صحیح راستے پر ہے۔ حالانکہ وہ غلط راستے پر ہوتا ہے۔ لوگ اس کا ہاتھ اس لئے نہیں پکڑتے کہ وہ اسے پوری طرح برباد دیکھنا چاہتے ہیں۔

گیارہ ستمبر کے حملہ کے بعد امریکہ نے یکے بعد دیگرے افغانستان اور عراق پر حملہ کردیا۔ اس حملہ میں لاکھوں شہری ہلاک ہوئے۔ ان حملوں کے خلاف پوری دنیا میں احتجاج ہوا لیکن امریکہ اپنے خونی کھیل سے باز نہیں آیا۔

ایسا کیوں ہوا؟

چونکہ جن ممالک میں اتنی طاقت تھی کہ وہ امریکہ کا ہاتھ پکڑ سکیں اور اسے بربادی کی راہ پر چلنے سے طاقت کے بل پر روک سکیں، انہوں نے خاموشی اختیار کی۔ مثلاً دنیا کی دوسری بڑی طاقت روس اور چین نے اس معاملے پر مطلقاً خاموشی اختیار کی جب کہ جرمنی، جاپان اور برطانیہ جیسے بڑے ممالک نے جارحیت پھیلانے میں امریکہ کا ساتھ دیا۔ نتیجہ کار امریکی صدر جارج بش نے یہ سمجھ لیا کہ وہ جو کچھ کررہے ہیں وہ صحیح ہے۔ ایک موقع پر انہوں نے اعلان کردیا کہ "یا تو آپ ہمارے ساتھ ہیں یا ہمارے دشمنوں کے ساتھ"۔ ان کے اس اعلان کے بعد زیادہ تر ممالک نے خاموشی اختیار کرلی۔

اب بش کو یہ غلط فہمی ہوگئی کہ دنیا ان سے ڈرتی ہے۔ وہ جس طرح چاہیں دنیا کو ہانک سکتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھ پائے کہ دنیا کی بڑی طاقتوں کی خاموشی یوں ہی بے سبب نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے ایک گہری حکمت عملی ہے۔ اب جب کہ امریکہ معاشی اعتبار سے دیوالیہ ہوچکا ہے تو اسے جنگ کے دوران دنیا کے بڑے ممالک کی گہری خاموشی کی وجہ سمجھ میں آرہی ہے۔ اب انہیں سمجھ میں آرہا ہے کہ روس اور چین جیسے ممالک نے جنگ کے دوران امریکہ کو Free Hand کیوں چھوڑ دیا تھا۔

درحقیقت روس، چین اور دنیا کے دوسرے بڑے ممالک چاہتے تھے کہ امریکہ پوری طرح برباد ہوجائے۔ اسی لئے انہوں نے امریکہ کو جنگ سے باز نہیں رکھا۔ اگر وہ چاہتے تو امریکہ کو جنگ سے باز رکھ سکتے تھے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اگر وہ امریکہ کا ہاتھ پکڑ لیتے تو امریکہ جنگ سے باز آجاتا اور تب وہ صورتحال پیدا نہیں ہوتی جو آج ہے۔

امریکہ جو وسائل جنگ اور تخریب کاری پر لگا رہا تھا۔ انہیں وہ تعمیری کاموں پر لگانے لگتا۔ نتیجہ کار وہ پہلے سے زیادہ مضبوط ہوجاتا۔ چنانچہ روس اور چین نے یہی بہتر سمجھا کہ امریکہ اپنے وسائل کو بربادی اور تباہی پھیلانے پر لگائے تاکہ وہ ایک دن پوری طرح تباہ ہوجائے۔ درحقیقت یہ ممالک امریکہ کو پوری طرح تباہ حال دیکھنا چاہتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے امریکہ کا ہاتھ نہیں پکڑا اور "عملاً یہی ہوا"

آج امریکہ کے بڑے مالیاتی ادارے مثلاً میری لنچ لیہمن برادرس سٹی، بینک اور فیڈرل ریزرو جیسے مالیاتی ادارے پوری طرح دیوالیہ ہوچکے ہیں۔ آج ہر امریکی ۷۰۰ ڈالر کا مقروض ہے اور یہ قرض بڑھتا ہی جارہا ہے۔ لاکھوں امریکی بے روزگار ہوچکے ہیں اور امریکہ دنیا بھر میں اپنی ساکھ کھو چکا ہے۔ اب کئی چھوٹے بڑے ممالک امریکہ کو آنکھ دکھا رہے ہیں۔ مثلاً امریکہ کی تمام کوششوں اور بندشوں کے باوجود شمالی کوریا نے ۵/اپریل کو اپنا سیٹلائٹ خلا میں بھیج دیا۔ شمالی کوریا نے یورینیم کی افزودگی کا کام پھر سے شروع کردیا ہے۔

ادھر روس اور چین نے بھی امریکہ کو گھیرنا شروع کردیا ہے۔ یوروپ نے بھی امریکہ کو سبق سکھانا شروع کردیا ہے۔ ابھی حال ہی میں ہوئے جی-۲۰ کے اجلاس میں فرانس اور جرمنی نے امریکہ کے معاشی نظام کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا اور موجودہ معاشی بحران کے لئے اسے ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔

معروف امریکی ماہر معاشیات پاؤل کروگ مین نے اپنے مضمون "The Reputation Economy" (انڈین ایکسپریس، ۳۱/مارچ) میں لکھا ہے کہ ایک وقت تھا جب امریکہ دنیا کی قیادت کرتا تھا لیکن اب وہ وقت ختم ہوچکا ہے۔ اب امریکہ اپنی حیثیت کھو چکا ہے۔ آج صورتحال یہ ہے کہ کوئی بھی لیڈر امریکہ کی بات سننے کے لئے تیار نہیں ہے۔

"The financial crisis had many costs and one of those costs is the damage to American reputation and asset we have lost just when we need it most."

معاشی بحران سے ہمیں کئی طرح کا نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہم اپنی ساکھ کھو چکے ہیں اور یہ ایک ایسے وقت میں ہوا ہے جب ہمیں اس کی اشد ضرورت تھی۔

آدمی کا حال یہ ہے کہ وہ غلط راستے پر ہوتا ہے لوگ اس کا ہاتھ صرف اس لئے نہیں پکڑتے کہ وہ اسے برباد دیکھنا چاہتے ہیں۔ ایسی حالت میں جو چیز انسان کو بچاسکتی ہے وہ "خود احتسابی" ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ وہ ہر آن اپنا محاسبہ کرتا رہے تاکہ بربادی سے بچ سکے۔

●●

ابوالمجاہد زاہد کی خدمات ناقابل فراموش ہیں

نئی دہلی- "ابوالمجاہد زاہد نے آخر دم تک ادب اسلامی کا پرچم بلند رکھا۔ انہوں نے ادب اطفال کے ضمن میں بھی اُردو کو بہت کچھ دیا۔ ان کی غزلیہ اور نعتیہ شاعری کو کسی بھی صورت میں فراموش نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ ان کی شاعری اعلیٰ اخلاق و کردار کی روایات کی حامل بھی ہے اور فن کے اعتبار سے بھی انتہائی مضبوط ہے۔" ان خیالات کا اظہار رابطۂ ادب اسلامی (عالمی) کے نائب صدر اور رابطہ کے شعبۂ برصغیر کے صدر مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے دہلی میں ۱۷/اپریل کو منعقدہ ایک نشست میں کیا۔ اس نشست کا انعقاد ادب اسلامی (ہند) کے تحت ہوا۔ ادب اسلامی (ہند) کے نائب صدر پروفیسر شفیق احمد خاں ندوی نے علامہ ابوالمجاہد زاہد سے وابستہ یادوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ "ابوالمجاہد زاہد رابطہ کے اجتماعات میں پابندی کے ساتھ شرکت کرکے ہماری سرپرستی فرماتے تھے۔ ان کی وفات سے علمی وادبی دنیا عظیم روایات کی حامل ہستی سے محروم ہوگئی ہے۔"

ندوۃ العلماء لکھنؤ کے معتمد تعلیم اور رابطۂ ادب اسلامی (برصغیر) کے سکریٹری مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی نے ادب اسلامی کے فروغ کے لئے مختلف طریق کار اور تدابیر پر روشنی ڈالی۔ اس موقع پر ڈاکٹر تابش مہدی نے حمد بھی پیش کی۔ نشست میں صدر رابطۂ ادب اسلامی (ہند) مولانا سید محمود الحسن ندوی، مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی، ڈاکٹر سید عبدالباری شبنم سبحانی، پروفیسر خالد حامدی، مولانا محمد کلیم صدیقی اور دیگر نے شرکت کی۔

(رپورٹ اجمل فاروق ندوی)

بقیہ: اسرائیل فلسطین تنازعہ میں میڈیا کا کردار

حد" پھلانگ کر آنے کی جرأت کرنے والوں کے ساتھ لحاظ داری پر مبنی برتاؤ کرنے کے لئے دونوں طرف کے لوگوں کے پیچیدہ انسانی، سماجی اور ثقافتی حقیقت کو سمجھنے کے لئے پلیٹ فارم کے طور پر استعمال کرتا ہوں۔

اپنے مضامین کی ایک سیریز میں میں نے عربوں اور اسرائیلی اسرائیلیوں میں ایک دوسرے کے بارے میں پائی جانے والی بدگمانیوں اور دقیانوسی تصورات کو آڑے ہاتھوں لیا تھا۔ میں نے خطے میں امن قائم کرنے کے متبادل طریقوں مثلاً تشدد اور شہری حقوق کی تحریکیں چلانا وغیرہ پر بھی سیر حاصل گفتگو کی تھی۔

میں نے ایک بار کالم لکھا تھا جس میں ۲۰۴۸ کا تصور کرتے ہوئے پرامن مستقبل کی تصویر کشی کی گئی تھی۔ اس پر ایک قاری نے بتایا کہ مالی منفعت کے لالچ کے بغیر چلنے والے ادارے "ون وائس" نے اسرائیلی اور فلسطینی بچوں کے مابین مضمون نویسی کا ایک مقابلہ بھی کرایا تھا۔ جسے کامن گراؤنڈ نیوز سروس نے تقسیم کیا تھا۔ اس مقابلے میں شرکت کرنے والے بچوں سے اپنے پرامن مستقبل کے بارے میں تصور کرنے کو کہا گیا تھا۔ میں ان بچوں کے تخیل سے اتنا متاثر ہوا کہ میں نے ایک اور کالم لکھا جس میں بڑوں پر زور دیا گیا تھا کہ قیام امن کا عمل بچوں کے ہاتھ میں دے دیں اور انہیں اس عمل میں اپنے بچپن کی سوجھ بوجھ اور استعداد کو شامل کرنے دیں۔

میرے نقطہ نظر کو فلسطین اور اسرائیل دونوں کے حامیوں نے ہدف تنقید بنایا اور اکثر ایک ہی بات پر خفگی ظاہر کی۔ اتنی شدید مخاصمت کے باوجود اس طرح کی سوچ کامن گراؤنڈ تک پہنچنے میں سودمند ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ ایک قاری نے لکھا تھا کہ "تاریخی واقعات کو کسی ایک فریق کے نقطہ نظر سے بیان کرنا ضرر رساں ہے۔ آپ متفقہ بیان حاصل کرنے کی کوشش میں اچھا کام کررہے ہیں۔"

ایک اور قاری نے لکھا تھا "ایسا حوصلہ افزا مضمون لکھنے کا شکریہ۔ یہ اس تنازعہ کے بارے میں ہر شخص کے ذہن میں پائے جانے والے تصورات کو چیلنج کرسکتا ہے۔"

مجھے اکثر اپنے قارئین کے درمیان چھڑنے والی بحث کی بالغ نظری پر خوشگوار حیرت ہوتی ہے۔ یہ انتہائی متاثر کن امر ہے کہ اگر اس "خاموش اکثریت" کی آوازوں کو بحث میں جگہ دی جائے تو یہ بہت تعمیری کردار ادا کرسکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس تنازعہ کا کوئی مثبت نتیجہ دیکھنے کے لئے ذرائع ابلاغ کا متوازن ہونا لازم ہے۔

●●

بقیہ: مجموعی طور پر دوسرا انتخابی مرحلہ پرامن رہا

چار مرد اور ایک خاتون، یوڈبلیو ایف کے ایک مرد اور ایک خاتون، اے آئی ایم ایف کے ایک مرد اور ایک خاتون، بی ایم ایس ایم کے ایک مرد اور ایک خاتون، پی پی او آئی کے انیس مرد اور دو خاتون، ایم این ایس کے دو، اے بی ایچ ایم کے سات اور او ایم ایم کے ایک مرد اُمیدوار میدان میں تھے۔

اس مرحلہ میں جن اُمیدواروں کے لئے ووٹنگ ہوگی ان میں راہل گاندھی، شرد پوار، رام ولاس پاسوان، جارج فرنانڈیز، پرکاش جھا، سشما سوراج جیسے لیڈران بھی شامل تھے۔ الیکشن کمیشن کے مطابق آسام میں ۶۲ فیصد، آندھرا پردیش میں ۶۸ فیصد، جھارکھنڈ ۴۷ فیصد، جموں وکشمیر میں چھیالیس فیصد اور مدھیہ پردیش میں ۴۵ فیصد ووٹنگ ہوئی۔

بہار، جھارکھنڈ، اترپردیش اور مدھیہ پردیش کے متعدد پولنگ اسٹیشنوں میں ووٹنگ کے بائیکاٹ کی وجہ سے لوگوں کے ووٹ نہ ڈالنے کے واقعات بھی سامنے آئے ہیں۔ بہار کے تین پارلیمانی حلقوں کے تیس، جھارکھنڈ کے دو پارلیمانی حلقوں کے تین، اترپردیش کے ایک پارلیمانی کے حلقے کے ایک اور مدھیہ پردیش کے دو پارلیمانی حلقوں کے تین سے زائد پولنگ اسٹیشنوں پر لوگوں نے ووٹ نہیں ڈالے۔ ان علاقوں کے ووٹروں کا کہنا تھا کہ ان کے علاقوں میں بنیادی مسائل کے حل کی طرف توجہ نہ دیے جانے کی وجہ سے انہوں نے یہ فیصلہ کیا تھا۔

الیکشن کمیشن نے بہار کے ۱۴۶ اور جھارکھنڈ کے ۵۸ پولنگ اسٹیشنوں پر از سر نو ووٹنگ کرانے کا اعلان کیا ہے۔ یہ وہ مقامات ہیں جہاں پہلے مرحلہ میں بعض میں رخنہ اندازی کی گئی تھی اور بعض مقامات پر ووٹنگ نہیں ہوسکی تھی۔ دوسرا مرحلہ گو کہ مجموعی اعتبار سے پہلے مرحلہ کے بالمقابل پرامن رہا پھر بھی بعض مقامات پر پرتشدد کارروائیاں مزید احتیاط کا تقاضا کرتی ہیں۔ وہیں عوام کے ذریعہ بعض علاقوں میں انتخابات کا بائیکاٹ بھی اس بات کا اشارہ ہے کہ عوام کے بنیادی مسائل کی طرف توجہ دینا حکومت اور عوامی نمائندوں کی اولین ذمہ داری ہے اور اس سے چشم پوشی مفاد عامہ کے حق میں نہیں ہے۔

(ع ک)

پاکستانی مبصر کا نقطۂ نظر

سوات میں وہ نہیں ہوا جو بتایا جارہا ہے

انصار عباسی

گزشتہ جمعہ کو سوات میں ایک لڑکی کو کوڑے مارنے کی ویڈیو جاری کرکے غیر مرئی طاقتوں کی جانب سے پاکستان کی سلامتی اور امن کے قیام کے خلاف ایک ایسی تحریک کا آغاز کردیا گیا جس سے ملک میں انارکی اور افراتفری پھیلانے کی کوشش کے علاوہ مسلمانوں کے عقیدے کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ بغیر کسی مصدقہ اطلاع کے کہ یہ واقعہ کہاں ہوا، کب ہوا، کس کے حکم پر ہوا، کس جرم کی پاداش میں لڑکی کو کوڑے مارے گئے، دنیا بھر میں ایک شور برپا ہوگیا۔ اب تک لڑکی کے جرم کے بارے میں دس کہانیاں سامنے آچکی ہیں اور یہ بھی کہا جارہا ہے کہ یہ چار ماہ سے ایک سال پہلے وقوع پذیر ہوا۔

ایک اور اطلاع کے مطابق یہ واقعہ سرے سے سوات میں ہوا ہی نہیں لیکن تنقید کا نشانہ ۲۵ رجنوری کو ہونے والا سوات امن معاہدہ ہے۔ بہت سے جاہلوں نے عورتوں کو سرعام کوڑے مارنے کی سزا کو بہیمانہ، وحشیانہ اور غیر انسانی قرار دے کر مسلمانوں کے عقیدے پر حملہ کیا جو امریکہ اور دوسری اسلام دشمن قوتوں کا ایجنڈا ہے۔ حکومت اور سپریم کورٹ کی طرف سے واقعہ پر فوری نوٹس لیا جانا ایک قابل تحسین اقدام ہے، تاکہ اگر اس عورت پر واقعی ظلم ہوا ہو تو ذمہ داروں کو قرار واقعی سزا دی جائے، مگر عدالت عظمیٰ، حکومت، میڈیا اور دوسرے ذمہ دار کیا اس بات کا نوٹس بھی لیں گے کہ قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے متعین کی گئی سزاؤں کو بہیمانہ اور وحشیانہ کہنے کا کیا جواز تھا۔ دوسری طرف ایک پرانے واقعے کو بنیاد بنا کر سوات میں ۲۶ رجنوری کو ہونے والے امن معاہدہ کو سبوتاژ کرنا آیا کوئی بیرونی سازش کا نتیجہ تو نہیں۔ نظام عدل سے پہلے سوات میں جنگل کا قانون تھا اور حکومت کی کوئی رٹ نہیں تھی۔ ایسے حالات میں کچھ افراد کے متنازعہ عمل کی بنیاد پر امن معاہدے کو کیسے تنقید کا نشانہ بنایا جاسکتا ہے۔ اسلام میں شرعی قوانین کے نفاذ کی ذمہ داری ریاست کی ہوتی ہے اور لوگوں کو یہ کھلی چھٹی نہیں دی جاسکتی کہ وہ اپنی مرضی کی شریعت نافذ کریں۔ اس اصول کی بنیاد پر ہی سوات میں نظام عدل کو پرکھا جانا چاہئے نہ کہ مغربی سوچ کی بنیاد پر جو جہاد اور شریعت کو دہشت گردی اور انتہا پسندی سے تعبیر کرے۔ ایسے گمراہ جاہلوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ کے قانون کے بارے میں یاوہ گوئی کرتے ہیں، ان کی اطلاع کے لئے سورۃ النور کی پہلی دو آیتوں کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”ایک سورۃ ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے اور اسے فرض کیا ہے اور اس میں کھلی روشن اور واضح آیات نازل کی ہیں تاکہ تم انہیں یاد رکھو۔ بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد ان دونوں کو سو سو کوڑے مارو اور اگر تمہیں اللہ تبارک وتعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان ہے تو اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے میں تمہیں ان پر کوئی ترس نہیں آنا چاہئے اور ان کی سزا کے وقت مومنوں کی ایک جماعت سامنے موجود رہے“۔ اس سورۃ کی آیت نمبر ۴ کا اردو ترجمہ کچھ یوں ہے: ”جو لوگ پاکباز عورتوں پر الزام لگائیں پھر چار گواہ نہ لائیں تو انہیں اسی اسی درے لگاؤ اور آئندہ کے لئے ایسے الزام لگانے والوں کی شہادت کبھی ہرگز قبول نہ کرنا کیونکہ یہ برے لوگ ہوتے ہیں“۔

ان آیات کو پڑھنے سے سب معاملہ واضح ہوجاتا ہے۔ نہایت ہی عام فہم اور سادہ انداز میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بدکاری کے جرم پر حد نافذ کی اور ساتھ ہی شرائط بیان کردیں۔ پہلی آیت مبارکہ میں مسلمانوں کو تاکید کی گئی اس حکم کے بارے میں، جو آنے والی آیتوں میں دیا گیا تاکہ بدکاری کے جرم کے مرتکب افراد کی سزا کے بارے میں کوئی الجھن نہ رہے۔ مغرب سے مغلوب طبقہ کے لئے یہ سزائیں نعوذ باللہ وحشیانہ ہوسکتی ہیں مگر اسلام میں اجنبی مرد اور عورت کے درمیان جنسی تعلق کی کوئی گنجائش نہیں۔ اگر غیر قانونی اور غیر اسلامی جنسی تعلقات پر ایسی سزائیں نہ رکھی جائیں تو مغرب کی طرح ہمارا معاشرہ بھی جانوروں کا معاشرہ بن کر رہ جائے گا۔ دین میں لوگوں کو اس جرم کا ارتکاب کرنے والے لوگوں کو سزا ملنے پر رحم اور ترس کھانے سے منع کیا گیا ہے۔ سرعام سزا دینے کا مقصد اس طرح کے جرائم کی روک تھام ہے۔ ہم نے دیکھا کہ جب بھی اور جہاں بھی شریعت کا نفاذ ہوا، اسلامی سزاؤں کی وجہ سے جرائم میں واضح کمی ہوئی۔ کوئی ایمان والا یہ کیسے سوچ سکتا ہے کہ ۷۰ ماؤں سے بھی زیادہ محبت کرنے والا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کیلئے ظالمانہ سزائیں تجویز کرسکتا ہے۔ کیا ہمیں معلوم نہیں کہ سعودی عرب اور ایران جیسے مسلم ممالک میں جرائم کی کمی کی وجہ کیا ہے۔ آیا جب ایران میں سرعام مجرموں کو چوک میں پھنسی دے کر دو تین دن کیلئے چھوڑ دیا جاتا ہے اور سعودی عرب میں قاتل اور دوسرے سنگین جرائم میں ملوث کرداروں کا سرعام سرقلم کیا جاتا ہے تو دنیا اس طرح چیختی ہے جس طرح ہمارے ہر معاملے پر چیخا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں غیر سرکاری تنظیمیں ڈالروں کے لالچ میں مغربی ایجنڈے کی پیروی کرتی ہیں۔ اسلام اور پاکستان کے خلاف پروپیگنڈے کے لئے ان این جی اوز کو بھرپور طریقے سے استعمال کیا جاتا ہے۔ کسے معلوم نہیں کہ مولانا صوفی محمد اور سرحد حکومت کے درمیان سوات میں قیام امن کے لئے کئے گئے نظام عدل معاہدے کے خلاف امریکہ اور مغرب کے تحفظات ہیں۔ ان بیرونی قوتوں کی طرف سے پاکستان کے حکمرانوں پر مسلسل دباؤ ڈالا جارہا ہے کہ صدر آصف علی زرداری نظام عدل ایکٹ پر دستخط نہ کریں۔

اس ویڈیو کے جاری کرنے اور اس کے نتیجے میں اندرونی اور بیرونی دباؤ کی وجہ سے پہلے سے ہی ہچکچاہٹ کے شکار صدر آصف علی زرداری اب سوات امن معاہدہ عملدرآمد کے لئے مزید تذبذب کا شکار ہوں گے۔ کاش! اس ملک کا مغرب پسند طبقہ، ذرا غور کرے کہ پچھلے ایک ڈیڑھ سال میں کس بے دردی سے معصوم لوگوں کا سوات میں قتل عام ہوا، سوات میں فوجی آپریشن ناکام رہا جبکہ حکومت کی رٹ مکمل طور پر ختم ہوچکی تھی۔ بچیوں کے اسکولوں کو تباہ کردیا گیا تھا اور مکمل دہشت کا قانون لاگو تھا۔ ایسے میں صوفی محمد کے ذریعے سوات کے امن کو واپس لانا، بچیوں کے اسکولوں کے دوبارہ کھلوانا، حکومت کی رٹ ایک بار پھر قائم کرنا اور سوات کے بازاروں اور کاروباری رونقوں کا واپس لوٹنا این جی اوز کو برا لگ رہا ہے۔ کیا یہ این جی اوز وادئ سوات میں دوبارہ قتل وغارت اور تشدد پسند طالبان کی واپسی کی خواہاں ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ بیرونی طاقتوں کا آلۂ کار بن کر یہاں کچھ لوگ ملک کو خانہ جنگی کی طرف دھکیل رہے ہیں۔

(روزنامہ جنگ)

اوباما کے بعض اقدامات سے حکومت پریشان

محمد احمد کاظمی

امریکہ کے پہلے افریقہ نژاد صدر بارک حسین اوبامہ جنوری 2009 میں عہدہ صدارت سنبھالنے کے بعد مختلف اقدامات کی بنا پر سرخیوں میں ہیں۔ گزشتہ ماہ انہوں نے ایران کے ساتھ براہ راست مذاکرات شروع کرنے کی خواہش کا اعلان کیا تھا۔ چند روز قبل ہی انہوں نے اپنے پڑوسی ملک کیوبا پر تمام پابندیاں ختم کرنے کے اعلان کے ساتھ ساتھ امریکہ کے تاریخی حریف ملک کے ساتھ دوستی کے روابط قائم کرنے کی بات کہی ہے۔ اس سے پہلے انہوں نے متحدہ عرب امارات سے نشر ہونے والے ٹیلی ویژن چینل العربیہ پر ایک انٹرویو کے دوران مسلم ممالک اور ان کے عوام سے تعلقات استوار کرنے کی بات کہی تھی۔ وہ عراق سے امریکی افواج کی جلد واپسی کے تعلق سے بھی واضح بیانات دے چکے ہیں۔ صدر اوبامہ نے اب تک مسلم ممالک اور ان کے عوام سے دوستانہ روابط کے جتنے بھی اشارے دئے ہیں ان پر عمل کی شکل میں ابھی کوئی بڑی پیش رفت دیکھنے کو نہیں ملی ہے۔ البتہ امریکہ میں جاری شدید اقتصادی بحران اور عوام اور حکومت کے جنگوں سے تھک جانے کی بنا پر یہ امید کی جاسکتی ہے کہ امریکہ مستقبل میں مثبت رویہ اختیار کرنے پر مجبور ہوگا اور دنیا اس ”ہوائی سپر پاور“ کے مظالم سے آزاد ہوگی۔

کسی بھی جمہوری نظام میں یہ بات درست ہے کہ منتخب صدر اور وزیر اعظم وغیرہ ملک کی پالیسی پر کافی حد تک اثر انداز ہوتے ہیں۔ لیکن اتنا ہی کڑوا سچ یہ ہے کہ حکومت کو چلا رہے حکام یعنی بیوروکریسی بھی کافی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ گزشتہ دنوں صدر اوبامہ نے میکسیکو میں واقع گوانتاناموبے جیل میں ملزمین پر کئے جانے والے مظالم سے متعلق رپورٹ کو عوام کے سامنے لانے کا اعلان کیا تو حکام نے صدر بارک اوبامہ کی یہ کہتے ہوئے نکتہ چینی شروع کردی کہ ملزمین کو اذیتیں دینے کی تفصیلات عام کرنے سے امریکی حکام کو آئندہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ واضح رہے کہ امریکہ کے سابق صدر جارج ڈبلیو بش نے گوانتاناموبے میں واقع جیل میں مبینہ طور پر القاعدہ اور طالبان سے منسلک شدت پسند افراد پر شدید اور غیر معمولی اذیت دینے کی خصوصی اجازت دی ہوئی تھی۔

لندن سے شائع ہونے والے اخبار ٹیلیگراف کے واشنگٹن میں نمائندہ ایلکس اسپیلس کی حالیہ رپورٹ کے مطابق سابق صدر جارج ڈبلیو بش کے ذریعہ سی آئی اے کے ملزمین کو شدید اذیتیں دینے کے تسلیم شدہ طریقوں کو صدر اوبامہ نے جیسے ہی عام کرنے کا اعلان کیا انہیں چاروں جانب سے نکتہ چینی کا سامنا کرنا پڑا۔ بش حکومت میں شامل سابق حکام کا کہنا ہے کہ اس کے عام کرنے سے صدر اوبامہ یہ تمام تفصیلات دہشت گردوں تک پہنچا دیں گے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ان طریقوں سے اطلاعات حاصل کرنے میں مدد ملی ہے۔

اس کے ساتھ انسانی حقوق سے متعلق تنظیموں نے صدر اوبامہ کے اذیت کے طریقوں کو عام کرنے کے ساتھ ساتھ دئے گئے اس حکم کی نکتہ چینی کی ہے کہ جو افسران ان غیر انسانی سزا دینے کے ذمہ دار ہیں، ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کا کہنا ہے کہ ایسا لگتا ہے کہ امریکہ کے انصاف کے محکمہ نے ان افسران کو جیل سے باہر رہنے کا لائسنس دے دیا ہے۔ ملزمین کو اذیت دینا کسی بھی حال میں قابل قبول نہیں ہے اور جو افراد اس میں ملوث رہے ہیں ان کے خلاف قانونی کارروائی ہونی چاہیے۔ انسانی حقوق سے متعلق کئی مقامی اداروں نے بھی اذیت رسانی میں ملوث حکام کے خلاف کارروائی نہ کرنے کے فیصلے کی نکتہ چینی کی ہے۔ صدر اوبامہ کے ذریعہ بدنام زمانہ گوانتاناموبے جیل میں اذیت رسانی کے طریقوں کو عام کرنے کے ساتھ اس کے لئے ذمہ داران پر کوئی قانونی کارروائی نہ کرنے کے فیصلے پر ردعمل ظاہر کرتے ہوئے مصر میں واقع انسانی حقوق کے ادارے نے کہا ہے کہ اس سے صدر اوبامہ کی جانب سے مسلم ممالک اور عوام سے بہتر تعلقات بحال کرنے کی کوششوں کو نقصان پہنچے گا۔ مصری مذکورہ تنظیم نے کہا ہے کہ صدر اوبامہ نے انہیں بتایا ہے کہ وہ ملزمین پر غیر انسانی سلوک کرنے والے حکام کو بغیر سزا دیے نہیں چھوڑیں گے۔ واضح رہے کہ 11 ستمبر 2001 میں امریکہ میں ہوئے دہشت گردانہ حملوں کے بعد بڑی تعداد میں افغانستان، پاکستان، برطانیہ اور سعودی عرب سے مشتبہ القاعدہ اور طالبان سے متعلق افراد کو گرفتار کرکے میکسیکو میں گوانتاناموبے جیل میں رکھا گیا تھا۔ ان ملزمین پر ہونے والے مظالم کی تفصیلات بیانات اور مغربی ممالک میں بنائی گئی فلموں کے ذریعے سامنے آچکی ہیں۔

صدر اوبامہ کے ذریعے عام کی گئی رپورٹ کے مطابق 2002ء اور 2005ء میں حکومت کی قانونی مدد کرنے والے وکیلوں نے ملزمین کے خلاف شدید اذیت رسانی کے لئے صدر بش سے اجازت حاصل کی تھی۔ حکومت کے ذریعے تسلیم شدہ طریقوں میں ملزمین کو برہنہ رکھنے، تکلیف دہ حالت میں شدید سردی کے عالم میں لمبی مدت تک کھڑا کئے رکھنے، ٹھوس غذا نہ دینے، تھپڑ مارنے، سونے نہ دینے اور ملزمین کی کال کوٹھری میں کیڑے مکوڑے ڈال دینا تک شامل تھا۔ جھیل یا دریا میں کشتی پر ملزمین کو سوار کرکے انہیں غرقاب کرنے سے ڈرانے کا طریقہ بھی اپنایا جاتا تھا۔

اوبامہ کے سینئر مشیر ڈیوڈ ایلکسلروڈ کے مطابق صدر تقریباً ایک ماہ تک کافی غصہ میں تھے۔ انہوں نے اس موضوع پر وزارت انصاف اور داخلی سیکورٹی کے محکمہ کے حکام سے تبادلہ خیال کیا اور اس کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ سابق حکومت کے ذریعہ ملزمین کے خلاف جو حربے استعمال کئے جارہے تھے انہیں عام کیا جائے کیونکہ اس سے ہمارے معاشرے کی شبیہ خراب ہوتی ہے اور ایسا کرنے سے ہم محفوظ نہیں رہتے۔ صدر اوبامہ کے اس فیصلے کی سی آئی اے کے سابق ڈائریکٹر مائیکل ہیڈن اور سابق اٹارنی جنرل مائیکل مکاسے نے اپنے وال اسٹریٹ جنرل میں شائع مضمون کے ذریعے شدید نکتہ چینی کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس کا اثر یہ ہوگا کہ ملک کے خفیہ اداروں میں سست روی آئے گی اور خوف کا ماحول پیدا ہوگا۔ ان کا کہنا ہے کہ دہشت گردوں کو اب یہ معلوم ہوجائے گا کہ امریکی حکومت ان کے خلاف کس حد تک جاسکتی ہے تاکہ ان سے اطلاعات حاصل کی جاسکیں۔ دہشت گرد پیشگی ہی اس کی تربیت لے سکتے ہیں اور خفیہ ایجنسی کے یہ تمام حربے ناکام ہوسکتے ہیں۔ صدر اوبامہ کی نکتہ چینی کرنے والے سابق حکام کے مطابق القاعدہ کے ایک قیدی ابو زبیدہ نے انہیں اذیت رسانی کے حربوں کے استعمال کے نتیجے میں ہی رمزی بن الشبہ کے بارے میں اطلاعات فراہم کی تھیں۔ رمزی نے بعد میں 11 ستمبر 2001ء کو ہوئے دہشت گردانہ حملے میں ملوث شیخ محمد کی تفصیلات مہیا کرائی تھیں۔ سابق بش انتظامیہ کے ان دو سینئر حکام کا الزام ہے کہ اوبامہ کے ذریعے سی آئی اے کی ایذا رسانی کی تکنیک عام کرنے سے نہ صرف ان کی حکومت کو بلکہ آئندہ حکومتوں کے لئے بھی پریشانی پیدا کردی ہے۔

امریکی حکومت کے نظام کو سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہاں خارجہ پالیسی اور خاص طور سے مسلم ممالک سے متعلق پالیسی طے کرنے میں صیہونی یہودی لابی کافی سرگرم رہتی ہے۔ امریکہ میں حالانکہ کل آبادی کا صرف 3 فیصد یہودی ہیں پھر بھی وہ تمام اقتصادی اداروں اور تجارتی گھرانوں کو چلاتے ہیں۔ ان کا مقصد امریکی حکومت پر اسرائیل کو ہر قسم کی مدد فراہم کرنے اور اسرائیل کے ممکنہ دشمن ممالک کو کمزور کرنے کا مسلسل دباؤ ڈالنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ میں جو شخص بھی صدر بنتا ہے اسے یہودی لابی کے زیر اثر کام کرنا ہوتا ہے۔ اب تک امریکہ میں سابق صدور کے ساتھ یہ ہوا ہے کہ پہلے چار سالہ دور میں وہ یہودیوں کے زیر اثر کام کرتا ہے اور جب وہ دوسرے دور کے لئے منتخب ہونے کے بعد تقریباً آدھی مدت مکمل کرچکا ہوتا ہے تو وہ مسئلہ فلسطین۔ اسرائیل حل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب بھی کوئی امریکی صدر فلسطینی عوام اور دوسرے مسلم عوام کے حق کی بات کرتا ہے تو اسے غیر اخلاقی موضوعات میں پھنسا دیا جاتا ہے۔ بل کلنٹن کو مونیکا لیونسکی کے تنازع میں اسی مقصد کے لئے پھنسایا گیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اگر بارک حسین اوبامہ نے انسانیت اور مسلمانوں کے حق کی بات بار بار دہرائی تو انہیں کسی غیر ضروری اور اخلاقی تنازع میں پھنسایا جاسکتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ امریکہ میں اقتصادی بحران کے حل کے لئے اوبامہ کی بیرونی دنیا سے دوستی کی پالیسی پروان چڑھتی ہے یا صیہونی لابی اوبامہ کو امن کے راستے سے بھٹکانے میں کامیاب ہوتی ہے۔

(میڈیا اسٹار)

تعلیم ہی انسانی ترقیات کا زینہ

ڈاکٹر مرضیہ عارف
کوآرڈی نیٹر شعبۂ ڈسٹنس ایجوکیشن برکت اللہ یونیورسٹی، بھوپال

تعلیم وتربیت وہ وسیلہ ہے جس سے انسان مہذب بنتا ہے، اسی لئے بزرگوں نے تعلیم کا اصل مقصد سیرت کی تعمیر اور شخصیت کی تکمیل قرار دیا ہے۔ ہندوستان میں تعلیم کا رواج اتنا ہی قدیم ہے جتنی کہ یہاں کی تہذیب، اشوک کے کتبات ہوں یا مندروں پر کی گئی سنگ تراشی اور غاروں کی پینٹنگ یہ سب پرانے دور کی تعلیم کے ہی نمونے ہیں جس کی بنیاد پر ہمارے ملک کی شہرت دور دور تک پھیل گئی، لوگ یہاں علم کی طلب میں آتے اور سنسکرت زبان و ادب کے ذخیرے سے استفادہ کرتے، سب سے پہلے انگریز حکمرانوں نے ہندوستان کے نظام تعلیم کو اپنے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا، حالانکہ ان سے پہلے یہاں مسلمان بھی حکمراں رہے لیکن انھوں نے تعلیم پر کبھی بری نظر نہیں ڈالی، اسی رواداری اور وسعتِ قلب کا نتیجہ ہے کہ یہاں کی قدیم تہذیب اور زبان خاص طور پر سنسکرت پھلتی پھولتی رہی اور اس کے ساتھ دوسری زبانوں کو پنپنے کے مواقع بھی میسر آئے۔

ملک کی آزادی کے بعد پوری دنیا کی طرح ہمارے یہاں بھی تعلیم کا شہرہ تو بہت ہوا لیکن اس کو خاطر خواہ فروغ حاصل نہیں ہوسکا اور اسی لئے ہمارے یہاں ناخواندہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ آج جو حلقے ہندوستان کے پرانے وقار کی واپسی کے خواہاں ہیں اور ملک کی تعمیر وترقی کی باتیں کرتے ہیں، ان کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ سیاست سے بلند ہوکر عام لوگوں میں تعلیم کے چلن کے لئے کام کریں، ایسے پروگرام ترتیب دیں جس سے ناخواندہ افراد استفادہ کرکے علم کی روشنی سے بہرہ ور ہوسکیں۔ بحیثیت انسان ہر پڑھے لکھے شخص کی ذمہ داری ہے کہ وہ تعلیم کو عام کرنے کے لئے کچھ وقت دے۔ دنیا میں کوئی بھی مذہب ایسا نہیں ہے جو انسان کو علم کے حصول کی تلقین نہ کرتا ہو، اسلام نے تو تعلیم کو سب سے زیادہ اہمیت دے کر ہر مرد وعورت پر علم حاصل کرنا فرض قرار دیا ہے، اس طرح کہ عورتوں کی تعلیم کی اہمیت کو بھی تسلیم کیا ہے، جس کے ذریعے ہمارے گھر اور معاشرے میں علم کا اجالا پھیل سکتا ہے کیونکہ نئی پیڑھی کی پہلی تربیت گاہ اگر کوئی ہوسکتی ہے تو وہ ماں کی گود ہے، بچہ اپنی ماں کی ایک ایک ادا سے عمل کے طور طریقے سیکھتا ہے۔ اگر ماں پڑھی لکھی ہے تو وہ اپنے بچوں کی بہتر تربیت کرسکتی ہے۔ ان میں تعلیم کا ذوق وشوق شروع سے ہی پیدا کرتی ہے، جن گھروں میں مائیں ناخواندہ ہیں وہاں اولاد کی تعلیم مشکل ہوجاتی ہے، اسی لئے ایک لڑکی کو تعلیم دینا پورے خاندان کو تعلیم یافتہ بنانے کے مترادف ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی پسماندگی بنیادی طور پر تعلیم سے ان کی دوری کا نتیجہ ہے۔ اگر ان میں تعلیم خاص طور پر اعلیٰ تعلیم کا رواج بڑھ جائے تو وہ بھی اپنی اقتصادیات کو سنوار سکتے ہیں۔ اس لئے بہتر یہ ہوگا کہ مسلمانوں کے قائد اور رہنما ان کو سیاست کی طرف راغب نہ کریں۔ جیسا کہ عام طور پر ہورہا ہے۔ اس کے بجائے ضرورت اس کی ہے کہ مسلمانوں کے لئے تعلیمی پروگرام مرتب کئے جائیں۔ ان کے نچلے طبقے میں تعلیم سے جو بے رغبتی عام ہے اس کو دور کرنے کے لئے مہم چلائی جائے اور یہ امر متوسط طبقہ کے ذہن نشین کرایا جائے کہ روپیہ پیسہ کمانا ہی سب کچھ نہیں، عصری تعلیم میں ترقی کمائی کو بڑھانے کا ایک ذریعہ ہے۔ جاہل یا کم پڑھے لکھے بچے اپنے والدین کی کمائی ہوئی دولت کو برباد کردیتے ہیں اور ایسی اولاد اکثر وبیشتر زندگی کی دوڑ میں داخل ہوکر ماں باپ کا نام روشن کرنے کے بجائے ان کے لئے بوجھ ثابت ہوتی ہے۔ تعلیم کے فروغ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ مسلمانوں کے گھروں کا ماحول بہتر ہو، پڑھائی اور لکھائی کا اس میں چرچا ہو، بچوں کی تربیت والدین کے پیش نظر رہے کیونکہ غیر تعلیم یافتہ اور ناآسودہ ماحول میں زندگی گزارنے والے بچے عام طور پر علم کے حصول میں پیچھے رہتے ہیں، ان میں مقابلے کی صلاحیت کم سے کم ہوجاتی ہے۔ تجارت وکاروبار کے میدان میں مسلمانوں کی نئی نسل کی پیش رفت جاری رہنا چاہئے، لیکن اس سے بھی زیادہ اہم یہ ہے کہ مسلم بچوں کو مقابلوں کے امتحانات کے لئے تیار کرایا جائے، ان کی صلاحیتوں کو صحیح سمت عطا کرکے، سرکاری نظم ونسق کے اعلیٰ عہدوں تک پہنچانے کے قابل بنایا جائے کیونکہ جس قوم کے لوگ انتظامیہ میں معقول نمائندگی سے محروم رہتے ہیں وہ قوم اپنا واقعی حق بھی حاصل نہیں کرپاتی۔

مسلمانوں نے اپنے عروج کے زمانے میں صحیح تعلیم کے راز کو جان لیا تھا، اسی لئے ان میں نامور مفکر، سائنسداں، موجد اور قائد پیدا ہوتے رہے، صحیح تعلیم کی تین کڑیاں ہیں۔ ایک علم، دوسرے عمل تیسرے اخلاق، اسی طرح صحیح تعلیم کے تین مددگار ہیں۔ ایک روشن ذہن، دوسرے دردمند دل اور تیسرے سودمند طریقہ، صحیح تعلیم کے تین مقاصد ہیں ایک فرد کی اصلاح، دوسرے سماج کا سدھار اور تیسرے قوم کی فلاح وبہبود۔ مسلمانوں نے جب تک تعلیم کے ان پہلوؤں پر توجہ دی اور انہیں اپنائے رکھا وہ ترقی کے زینے پر چڑھتے گئے۔ حکومت واقتدار اور سیاست کی بھول بھلیوں میں پھنس کر جب انہوں نے مذکورہ زریں اصولوں سے منہ موڑ لیا تو مسلمانوں کا زوال شروع ہوگیا، مغربی دنیا نے مسلمانوں کی تعلیم کے تئیں گہری توجہ اور شغف کو اپنایا تو وہ بھی آگے بڑھتے گئے، لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان تعلیم کے میدان میں اجتماعی طور پر اپنے آباء واجداد کے اصولوں کو اپنا کر کھویا ہوا وقار ومرتبہ پھر حاصل کرلیں۔ ●●

دائیں بازو کی صیہونی حکومت کی تشکیل کے بعد

مسعود الرحمن خان ندوی

اسرائیل کے نئے وزیر اعظم بنجامن نیتن یاہو نے پارلیمانی اعتماد حاصل کرنے کے لئے اپنی حکومت کو پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا اور دستوری حلف کی تقریب میں فلسطینیوں کے ساتھ امن سے متعلق کہا: ”امن کا حصول ممکن ہے لیکن فلسطینیوں کی ”دہشت گردی“ سے نپٹنا ہوگا“ اس نے خود بھی شمالی اور جنوبی محاذوں پر ”اسلامی دہشت گردی“ کے خلاف جنگ اور ”امن“ کے لئے کام جاری رکھنے کا عزم ظاہر کیا اور ”ایرانی دھمکی“ کا ذکر کیا، اس کے الفاظ تھے: ”جس کو امن چاہئے وہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کرے، اس لئے فلسطینیوں پر اسلامی انتہائی پسندی کے خلاف جنگ اور اسرائیلی ریاست کا اعتراف واجب ہے۔ تم اپنی اولاد کو یہودی ریاست کے اعتراف اور اس کو قبول کرنے کی تربیت دو، اگر اہل فلسطین کو حقیقی امن چاہئے تو یہ ممکن ہے، جبکہ چھ سابق اسرائیلی سربراہ اس میں کامیاب نہیں ہوئے“۔ اس نے امن کے حصول کے لئے تین پہلوؤں: اقتصادی، سیاسی اور امن وامان پر کام کا ذکر کیا اور کہا: ”فلسطینی امن وامان کا ادارہ (پولس) جو دہشت گردی کے خلاف جنگ کرے گا ہم اس کی مدد کریں گے...... دائمی حل میں فلسطینیوں کے ہاتھ میں تمام اختیارات ہوں گے سوائے ان چیزوں کے جو اسرائیل کے لئے خطرہ نہیں...... اب تک کی تمام کوششوں کے معکوس نتائج نکلے اور دہشت گردی میں اضافہ ومزید خونریزی کا سبب بنے۔ کشمکش کے خاتمے کے لئے ہم سچی نیت اور مثبت روح کے ساتھ احتیاط سے چلیں گے“۔

جہاں تک اسرائیلی قیدی شالیط کا معاملہ ہے تو اس کی واپسی سے متعلق بغیر تفصیل بتائے ہوئے صرف یہ کہا: ”ان کی حکومت شالیط کی اس کے اہل وعیال تک جلد واپسی کے لئے کام کرے گی“۔ اسرائیل کے سامنے چیلنجز میں ایران کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ”بشریت کے سامنے بڑے خطروں میں ریڈیکل ممالک کا نیوکلیئر اسلحہ سے لیس ہونا ہے“ اور ایرانی صدر محمود احمدی نژاد کے بیانات کے پس منظر میں دنیا کے ممالک پر تنقید کرتے ہوئے کہا: ”اسرائیل کو تباہ کرنے کی اپیل کو دنیا کے ممالک نے ایک معمول کے مطابق بات کی حیثیت سے سنا، یہودی قوم جس نے ماضی کے تجربات سے بہت کچھ سیکھا ہے وہ دھمکی دینے والے طاغوتوں کے جنونِ عظمت کو ہلکے طور پر نہیں لیتی، اس وقت ہم حمایت وقوت سے خالی نہیں ہیں، ہمارے پاس مملکت ہے اور ہم اس کا دفاع کرنا جانتے ہیں...... انتہا پسند اسلام صرف تنہا اسرائیل کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ وہ عرب ممالک کا مسئلہ بھی ہے، اس لئے کہ وہ ان کے نظام حکومت کو توڑ کر ان کے بدلے اسلامی نظام حکومت قائم کرنا چاہتا ہے...... اسرائیل اس انتہا پسند اسلام کا بنیادی نشانہ ہے“۔

اس سے پہلے ایہود اولمرٹ نے پارلیمنٹ کے سامنے اپنی حکومت کی سیاسی، اقتصادی، اجتماعی اور امن وامان سے متعلق کارکردگیاں بتاتے ہوئے کہا: انھوں نے وزیر خارجہ اور وزیر امن کے ساتھ مل کر اسٹریٹجک قدر وقیمت کی حامل امن وامان کی پالیسیاں طے کی ہیں، جنھوں نے اسرائیل کے امن وامان کو مستحکم کیا ہے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ ان کو خفیہ رکھا جائے، انھوں نے اپنی حکومت کی غلطیوں پر افسوس کا اظہار کیا۔

بنجامن نیتن یاہو کی موجودہ حکومت میں لیکوڈ، اسرائیل بیتنا، لیبر پارٹی اور شاس کے انتیس وزیر شامل کئے گئے ہیں۔ یہودت ہتوراۃ کے بھی اس اتحادی حکومت میں شامل ہونے کی توقع ہے۔ دائیں بازو کی اس انتہا پسند حکومت پر تبصرہ کرتے ہوئے جیمس زغبی نے بعنوان: ”امن کے عمل کو خیر باد“ میں لکھا:

”۱۹۹۶ء میں انتخابات کے وقت اندرون اسرائیل بنجامن نیتن یاہو کا علانیہ اور واشنگٹن کے ساتھ لفظی جمع خرچ کی حد تک یہ نشانہ تھا کہ مسئلہ فلسطین کے تصفیہ کے عمل کے لئے ایک حد مقرر کرنا ہے، لیکن حکومت سنبھالتے ہی انھوں نے امن کے عمل کی راہ میں یکطرفہ شرائط عائد کرنی شروع کردیں، چنانچہ انھوں نے ”امن کے عوض زمین“ کے اصول کو ”سلامتی کے عوض امن“ کے اصول سے بدل دیا اور اس میں ترجیح اسرائیل کے امن وامان کو دی، اس کے ساتھ یہ وعدہ بھی تھا کہ فلسطینیوں کے حیاتی ومعاشی حالات میں بہتری پیدا کی جائے گی، لیکن اپنی وزارت کے پورے اضطرابی دور میں نزاع کے پرامن حل کے لئے صدر بل کلنٹن کی تمام مساعی کو وہ صرف ناکام کرتے رہے، بعض لوگ بنجامن نیتن یاہو کی نرم روی کے ثبوت کے لئے دائی ریفر معاہدات کا حوالہ دیتے ہیں کہ دائیں بازو کی لیکوڈ پارٹی کے وہ پہلے لیڈر ہیں جنھوں نے تنظیم آزادئ فلسطین کے ساتھ مشترکہ معاہدوں پر دستخط کئے، لیکن گہری نظر سے دیکھنے پر ان معاہدات میں موجود فریب درفریب کا پتہ چلتا ہے، اسی لئے اس وقت فلسطینی مذاکرات کار حنان عشراوی نے ان کو ”دستبرداری پر دستبرداری“ قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ یہ معاہدات امن کے عمل کو آگے بڑھانے کے بجائے پیچھے کی طرف واپسی کے برابر ہیں۔ چنانچہ ابھی ان معاہدات کی سیاہی بھی نہیں سوکھی تھی کہ بنجامن نیتن یاہو وزارت میں انفراسٹرکچر کے وزیر شارون نے ویسٹ بینک کی بڑی اراضی پر قبضہ کرنے کے لئے اپنے حامیوں کو اکسایا جس کے نتیجے میں دسیوں غیر قانونی یہودی کالونیاں وجود میں آئیں، پھر ان کو ختم کرنے کے بار بار کے وعدوں کے باوجود وہ فلسطینیوں کے حساب پر بڑھتی اور پھیلتی گئیں۔

بنجامن نیتن یاہو کی واشنگٹن کے لئے پریشان کن پالیسیوں سے امریکہ، اسرائیل اسٹریٹجک اتحاد کے کمزور ہونے کا خطرہ ہوا تو ۱۹۹۹ء کے انتخابات میں اس کو ہٹایا گیا لیکن پھر دس برس بعد وہ اپنی ظالمانہ پالیسیوں اور عزائم کے ساتھ وزارت عظمٰی پر واپس آگیا۔ عوامی جمع خرچ کے لئے اگرچہ وہ اپنے آپ کو ”امن کے عمل کا ساجھیدار“ قرار دیتا ہے لیکن عملاً وہ کبھی بھی پرامن تصفیہ پر مبنی دو خودمختار پڑوسی مملکتوں کے حل کی پابندی نہیں کرے گا، وہ اگرچہ تمام سابق معاہدات کے احترام کی بات کرتا ہے لیکن ان کی تنفیذ کے لئے ایک قدم بھی آگے بڑھانے کو تیار نہیں ہے۔ اس لئے اس کے ساتھ اہم ترین مسائل جیسے قدس شہر کے انجام وغیرہ کی نتیجہ خیز گفتگو کی توقع نہیں ہے، ویسے اس مرتبہ بھی وہ فلسطینیوں کے اقتصادی حالات کی بہتری اور ان کے ساتھ امن معاہدات قائم کرنے کی بات کرتا ہے، لیکن بات سے آگے بڑھنے کو تیار نہیں ہے اور جو لوگ اس کی حکومت میں لیبر پارٹی کی شمولیت کی وجہ سے تبدیلی کی امید کررہے ہیں وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ اس شرکت کا مقصد کسی حقیقی سیاسی تبدیلی کے بجائے صرف باراک وزارت دفاع پر قبضہ اور تسلط سے ہے، جس کے نتیجے میں بنیادی طور پر دائیں بازو کی ایک شدید انتہا پسند حکومت تشکیل پائی ہے۔ ان حالات میں اگر امن کے عمل کو ایک طرف اسرائیلیوں کے تشدد اور اور دوسری طرف فلسطینیوں کی کمزوری وافتراق پر چھوڑ دیا گیا تو اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا، اس لئے امریکہ کی طرف سے مداخلت اور دباؤ ضروری ہے اور امن کے عمل کو آگے بڑھانے کے لئے سب سے ضروری چیز متحد فلسطینی وطنی حکومت کی تشکیل ہے“۔

(ہفت روزہ الامان، بیروت)

POSTED ON 26 APRIL 2009 AT DELHI R.M.S. LICENCE NO. U (D.N.)- 41 / 2009 - 11 TO POST WITHOUT PRE PAYMENT PAGES-8. ۲۸ / اپریل ۲۰۰۹ء

TELEGRAM : ADDAWAH NEW DELHI-110025
PHONES: Editor: 26958816, Manager: 26949539, Fax:26958816
E-mail:- dawattrust@yahoo.co.in, dawaturdu@indiatimes.com

DAWAT SEHROZA
NEW DELHI-110025

R.N.I. No.522/57 POSTAL REGISTRATION No.
DL (S) - 05 / 3128 / 2009-2011 & DL (S) - 05 / 3266 / 2006-08 (Foreign Post)

وزیر اعظم کی یقین دہانیاں اور مسلمان

عبد الحنان سیوانی ندوی جدہ، سعودی عربیہ

۱۰/ اپریل ۲۰۰۹ء کو وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ اردو صحافت سے تعلق رکھنے والے نامہ نگاروں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہتے سنے گئے کہ انہیں اس بات کا احساس ہے کہ مسلمانوں کو دہشت گردی کے نام پر پریشان کیا جاتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ سیکورٹی فورسیز کو چاہئے کہ دہشت گردی سے نمٹتے وقت حقوق انسانی کا خیال رکھیں۔ جب وزیر اعظم جیسی اہم شخصیت اس طرح کی بات کہتی ہے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اسے معلوم ہے کہ ہندوستان میں بسنے والے ایک طبقے کے ساتھ اور خاص طور سے اس کے تعلیم یافتہ طبقے کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ وزیر اعظم کے اس طرح کے اظہار کے بعد یہ امید بندھی تھی کہ شاید اس طرح کی کارروائیاں بند ہو جائیں لیکن اس کے کچھ ہی دنوں بعد اعظم گڑھ کے ایک نوجوان سیف الرحمٰن کو جو بذریعہ ٹرین اپنی بہن کو لے کر ممبئی جا رہا تھا جبل پور اسٹیشن پر مدھیہ پردیش کے اے ٹی ایس نے اٹھا لیا۔ اس پر متعدد قسم کے الزامات عائد کئے اور تادم تحریر وہ پولیس حراست میں ہے۔

مسلم حلقوں کی جانب سے اس مسئلے پر شدید رخ اختیار کیا گیا ہے۔ وزیر اعظم اور وزیر دفاع کو خطوط ارسال کر کے پولیس کی اس طرح کی حرکت پر نہ صرف شدید ناراضگی ظاہر کی گئی بلکہ اس طرح کی کارروائیوں کو فوری طور پر روکنے کا مطالبہ کیا گیا۔ کئی دن گزر چکے ہیں اور ہر طرف سے خاموشی ہے، نہ کوئی حرکت ہے اور نہ کوئی آواز، سیاسی پارٹیاں الیکشن میں مشغول ہیں، وزیر اعظم زبانی جنگ میں اپنے حزب مخالف سے صف آراء ہیں، ایسی صورتحال میں انصاف کی آواز کون سنے۔

انگریزی ذرائع ابلاغ بھی خاموش ہیں۔ پہلے دن تو خبر شائع کی گئی کہ انڈین مجاہدین کا ایک فرد پکڑا گیا، اس شخص کا تعلق اس تنظیم سے ہے یا نہیں یہ جاننے کی اسے ضرورت نہیں، حیرت کی بات ہے کہ انگریزی ذرائع ابلاغ جو ہمیشہ اس بات کی کوشش میں رہتے ہیں کہ کون سی نئی خبر پیش کی جائے اور جو کچھ دنوں پہلے یہ خبر پیش کر رہے تھے کہ جموں و کشمیر میں طالبان داخل ہو چکے ہیں اور ایک ایسی ویڈیو دکھائی جا رہی تھی جس میں کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ بعد میں حکومت جموں و کشمیر نے اور پھر فوج نے اس طرح کی خبروں کی نفی کی، یہی ذرائع ابلاغ اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ سوات میں کیا ہوا اور کیسے ایک لڑکی کو عوام کے سامنے پیٹا گیا اور اس بات کو ثابت کرنے کے لئے ایک ایسی ویڈیو دکھائی گئی جو جعلی تھی اور کس طرح طالبان نے افغانستان میں ایک محبت کرنے والے جوڑے کو قتل کر دیا وغیرہ پھر وہی میڈیا مسلم نوجوانوں پر ہونے والے مظالم اور ان کے ساتھ کی جانے والی ناانصافیوں پر خاموش ہے۔ یہ ایک نیا ٹرینڈ بنتا جا رہا ہے کہ کسی بھی بے گناہ کو پکڑو، الزامات لگاؤ اور جیل میں سڑنے کے لئے چھوڑ دو۔ یہی طریقہ اسرائیل، فلسطینیوں کے ساتھ طویل عرصہ سے کرتا آ رہا ہے۔ اس طرح کے طریقے کسی بھی طرح قابل قبول نہیں ہو سکتے خاص طور سے ایک جمہوری ملک میں اس طرح کے عمل کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اس طرح کے واقعات نہ صرف نوجوانوں کے اندر خوف کا ماحول پیدا کرتے ہیں بلکہ انہیں غلط راہ پر چلنے پر بھی مجبور کر دیتے ہیں۔

کچھ مہینوں قبل جب مسلمان پورے ملک میں مظاہرے کر رہے تھے اور علماء اور حقوق انسانی سے تعلق رکھنے والے افراد حکومت سے مطالبہ کر رہے تھے کہ اس طرح کے طریقہ کو فوراً روکا جائے، تو محسوس ہو رہا تھا کہ شاید حکومت کوئی سخت نوٹس لے گی اور سیکوریٹی فورسز کو حکم دے گی کہ وہ اپنے کام میں شفافیت لائیں، لیکن مہینوں گزر جانے کے بعد بھی حالات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

بٹلہ ہاؤس انکاؤنٹر کی حقیقت ہمارے سامنے ہے، ہیومن رائٹس کمیشن اور دہلی ہائی کورٹ میں کئی سماعتوں کے بعد بھی معاملہ جوں کا توں پڑا ہوا ہے۔ ریاستی حکومت کا کہنا ہے کہ اس طرح کے واقعات کی تفتیش سے پولس کی ساکھ پر اثر پڑتا ہے۔ اور اس کا مورال گرتا ہے حالانکہ پولیس ہی نہیں فوجیوں کے خلاف بھی الزامات لگتے ہیں اور ان کی بھی انکوائری ہوتی ہے اور ان کی غلط کاری پر ان کے خلاف کارروائی بھی ہوتی ہے کورٹ بھی ان کے خلاف کارروائیاں اور ریمارکس کرتی ہیں لیکن مسلمانوں کے خلاف فرضی مڈبھیڑ کے مسئلہ پر مستقل سیکورٹی فورسز کا مورال گرنے کی دہائی دی جا رہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلے محض مورال گرنے کا نہیں کسی کے پھنسنے کا ہے اور پھنسنے والا کوئی معشوق ہے پردہ زنگاری میں ...... جو یقیناً سجن کمار اور جگدیش ٹائٹلر سے بھی زیادہ طاقت ور ثابت ہو رہا ہے۔

وزیر اعظم اور دوسرے سیاسی لیڈر اس بات پر تو زور دیتے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی کی جا رہی ہے لیکن کوئی عملی اقدام نہیں کیا جاتا، جس کی وجہ سے ایک ہی کہانی بار بار دہرائی جاتی ہے اور ایک نہ ایک بے قصور اس کا شکار بن جاتا ہے۔

مسلمانوں اور حقوق انسانی کی تنظیموں کے لئے یہ ایک بہت ہی حساس اور اہم مسئلہ ہے کہ آخر مسئلے کو کیسے حل کیا جائے۔ سیاسی پارٹیاں، سیاست کھیلنے میں مصروف رہتی ہیں اور پولیس اپنا کام کرتی ہے۔ تقریباً یہی کہانی گزشتہ ساٹھ برسوں سے دہرائی جا رہی ہے، دہشت گردی کی اصطلاح سے پہلے ہر مسلمان فسادی تھا۔ اور ملک کے کسی بھی حصہ میں ہونے والے فسادات میں مسلمانوں کو گرفتار کرنا اور انہیں جیلوں میں ڈالنا ایک عام بات تھی، فسادی تو چھوٹ جاتے تھے لیکن مسلمان غربت، افلاس، اور جہالت کی وجہ سے اسے اپنی قسمت سمجھ کر جیلوں میں سڑتے رہتے تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس طرح کے حالات نے مسلمانوں کو چوکنا کر دیا ہے اور وہ اپنے حقوق کے حصول کے لئے تمام جمہوری ذرائع کو استعمال کر رہے ہیں، جامعہ ملیہ کے اساتذہ کی جانب سے بٹلہ ہاؤس انکاؤنٹر پر رپورٹ شائع کرنا اور یوپی میں علماء کاؤنسل جو اس وقت موجودہ الیکشن میں حصہ لے رہی ہے کا قیام ایک اہم پیش رفت ہے۔ علماء کاؤنسل قومی سطح پر مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کے خلاف ایک رائے عامہ پیدا کرنے میں کامیاب رہی ہے۔ دہلی اور لکھنؤ میں کئے جانے والے مظاہرے یہ ثابت کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو یہ تمام طریقے جو ایک جمہوری ملک میں انہیں فراہم ہیں اس کا استعمال کر کے وہ اپنے حقوق کو حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر مسلمان یا مسلمانوں کا ایک طبقہ یہ سوچتا ہے کہ الیکشن یا ہر بننے والی سیکولر حکومت یا کانگریس یا اور کوئی بھی پارٹی مسلمانوں کے مسائل پر پوری توجہ مرکوز کرے گی تو یہ صرف ایک واہمہ ہے۔

الیکشن جمہوری نظام کا ایک حصہ ہے جو مسلسل چلتا رہے گا۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ مسلمان الیکشن کو بطور ہتھیار استعمال کریں اور حکومتوں کو اپنی حمایت کی شرط پر اپنی بات تسلیم کرانے پر زور دیں لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی بھی آنے والی حکومت مسلمانوں کے مسائل کو حل کر دے گی۔ مسلمانوں کو ایک ایسی تحریک کی ضرورت ہے جیسی علماء کاؤنسل کے جھنڈے تلے دہلی اور لکھنؤ میں دیکھی گئی تھی، ایک مضبوط قیادت اور ایسے وکلاء کی ضرورت ہے جو بے گناہ مسلمانوں کے حقوق کی بازیابی کے لئے تمام ممکنہ اقدامات کریں اسی کے ساتھ ساتھ ایک ایسی طاقتور سیاسی مسلم قیادت کی بھی ضرورت ہے جو مسلمانوں کے اندر انقلاب پیدا کر دے اور دوسروں کو مجبور کر دے کہ وہ مسلمانوں کے مسائل کو ہر حال میں حل کریں۔ ●●

اسرائیل فلسطین تنازعہ میں میڈیا کا کردار

ایک صحافی کے احساسات

خالد دیاب

اگرچہ فلسطینی اور اسرائیلی میڈیا کے درمیان میدان جنگ بہت خطرناک ہے لیکن صحافیوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ حالات کو بہتر بنانے کے لئے دونوں اطراف کے درمیان موجود غیر مملوکہ علاقے، میں کام کریں چاہے اس کے لئے انہیں دوطرفہ گولہ باری کی زد میں آنے کا خطرہ ہی کیوں نہ مول لینا پڑے۔ اسرائیل اور فلسطین کا تنازعہ دنیا کے سب سے تلخ اور خطرناک تنازعہ میں سے ایک ہے۔ اس سے مسلک تلخی اور گروہ بندی نے میڈیا کو بھی میدانِ جنگ میں تبدیل کر دیا ہے۔ درحقیقت ذرائع ابلاغ کی جنگوں میں جانبداری کا لفظ بذات خود مذاق بن گیا ہے جہاں ایک دھڑا میڈیا پر اسرائیل دشمن ہونے کا الزام لگاتا ہے اور دوسرا اسے فلسطین مخالف قرار دیتا ہے۔ الفاظ اور الزامات کی یہ گولہ باری غزہ کی حالیہ جنگ میں مزید شدت اختیار کر گئی تھی۔

اس طرح کی معاندانہ صورتحال میں انتہائی نیک نیت اور متوازن صحافی بھی دوطرفہ گولہ باری کی زد میں آ جاتے ہیں۔ لیکن بہرحال یہ لازم ہے کہ زیادہ سے زیادہ صحافی خصوصاً اسرائیل اور فلسطین سے تعلق رکھنے والے "ہم اور وہ" کی تنگ نظر تقسیم کو چھوڑ کر ایسی روش اختیار کریں جو دونوں اطراف کے لئے منصفانہ ہو۔

اگرچہ میڈیا کی طاقت کو بڑھا چڑھا کر بیان نہیں کرنا چاہئے لیکن اس میں منفی دقیانوسیت کی توثیق اور اسے مزید گہرا کر کے، جارحانہ جذبات کو ہوا دیتے ہوئے اور ہر وقت طبلِ جنگ بجا کر تنازعہ کی آگ پر تیل چھڑکنے کی صلاحیت بھی ہے اور لوگوں کے خیالات اور تصورات کو چیلنج اور تبدیل کر کے، باہمی تفہیم کو فروغ دیتے اور باہمی رنجشوں کو دور کرتے ہوئے امن قائم کرنے کی جدوجہد کو آگے بڑھانے کی قوت بھی۔

ذرائع ابلاغ کو مزید تعمیری انداز اختیار کرنے کے لئے کیا کرنا چاہئے؟ میڈیا کو منفی باتوں پر جمے رہنے کی بجائے مثبت پہلوؤں کو اُجاگر کرنا چاہئے۔ مغربی ذرائع ابلاغ کو دیکھ کر اکثر ایسا لگتا ہے جیسے مشرق وسطیٰ میں تشدد کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ ہم سب یہ جانتے ہیں کہ تشدد کے واقعات کو شہ سرخیوں میں جگہ ملتی ہے لیکن عدم تشدد پر مبنی اور عوام کی سطح پر کی جانے والی امن کی کوششوں کو بھی میڈیا میں مناسب جگہ دی جانی چاہئے۔

فلسطینی، عرب اور اسرائیلی ذرائع ابلاغ سب کو دوسری طرف سے آنے والی مثبت کہانیوں کے لئے بھی زیادہ جگہ مختص کرنے کی ضرورت ہے اور ہر بات کو ہمیشہ تنازعہ کی عینک سے نہیں دیکھنا چاہئے۔ انہیں دوسری طرف کے ثقافتی اور معاشرتی ڈھانچے کے بارے میں گہری تفہیم پیدا کرنے کے لئے بھی مزید جگہ مختص کرنے کی ضرورت ہے۔

میڈیا کو تنازعہ سے متعلق تخلیقی اور ندرت آمیز انداز فکر پیش کرنے اور بحث کو آگے بڑھانے کا ذریعہ ہونا چاہئے۔ اس حوالے سے آن لائن فورم اور سوشل نیٹ ورکنگ کی ویب سائٹس عربوں اور اسرائیلیوں کو جغرافیائی اور سیاسی سرحدوں کے آر پار ایک دوسرے کے ساتھ براہ راست بات کرنے کے قابل بنا کر انتہائی اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔

تبصرے اور کالم لکھنا بھی اس ضمن میں قابل قدر طور پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ کالم نگاری کا تعلق رائے کے اظہار سے ہے اور رائے بہرصورت جانبدار ہوتی ہے۔ لیکن جانبداری اپنی جگہ، اگر یہ متوازن ہو جائے تو انتہائی مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔

ذاتی طور پر میں "گارڈین" میں شائع ہونے والا اپنا کالم دونوں اطراف کو انسانیت کے دائرے میں رکھنے، افعال کو پرکھتے وقت پائدار اقدار کو ملحوظ خاطر رکھنے، انداز فکر کو چیلنج کرنے، سوچ کو وسعت دینے اور "دشمنی کی

باقی صفحہ پر

بقیہ: عطا اور محبت کا سرچشمہ

جس نے آ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ "یا رسول اللہ! ساری زندگی گناہوں میں گزری ہے، کوئی گناہ ایسا نہیں کہ جس کا ارتکاب نہ کر چکا ہوں اور اپنے گناہ اگر تمام روئے زمین کے باشندوں پر بھی تقسیم کر دوں تو شاید سب کو لے ڈوبیں۔ کیا اب بھی میری معافی کی کوئی صورت ہے؟" آپ نے فرمایا: "کیا تو نے اسلام قبول کیا ہے؟" اس نے عرض کیا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسولؐ ہیں"۔ فرمایا: "جا، اللہ معاف کرنے والا ہے اور تیری برائیوں کو بھلائی سے بدل دینے والا ہے"۔ اس نے عرض کیا: "میرے سارے جرم اور قصور؟" فرمایا: "ہاں تیرے سارے جرم اور قصور" (ابن کثیر بحوالہ ابن ابی حاتم) بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصے کئے ہیں، ان میں سے ایک حصہ اپنی مخلوقات کو عطا کیا ہے جس کے اثر سے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ باہم رحم و مروت سے پیش آتے ہیں اور باقی ننانوے حصے اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس رکھ لئے ہیں۔

یہ ہے اللہ تعالیٰ کی شان کریمی و رحیمی، اس کی بے کس و بے چارہ نوازی، عاجزوں اور درماندوں کی دستگیری، اس نے گنہگار بندوں کے لئے بخشش کا ترانہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سنا کر ان کے شکستہ اور زخمی دلوں پر مرہم رکھا۔ کتنا پر کیف ہے محبت کا یہ نغمہ جو آپ کے مبارک لبوں سے ادا ہوا۔ کیا دنیا نے ایسی رحمت، ایسی محبت اور ایسی عام معافی کی بشارت کسی اور سے سنی ہے؟ ●●

دعوت

پرنٹر، پبلشر خلیل احمد نے دعوت ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی جانب سے ایرانین آرٹ پرنٹرز قاسم جان اسٹریٹ بلیماران دہلی ۱۱۰۰۰۶ میں برائے دعوت آفسیٹ پرنٹرز چھپوا کر دفتر "دعوت" ڈی ۳۱۴، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

ایڈیٹر: پرواز رحمانی

اسسٹنٹ ایڈیٹر: شفیق الرحمٰن

سب ایڈیٹرس: محمد صبغۃ اللہ ندوی، عقیدت اللہ قاسمی، عمیر کوثر ندوی، اشرف علی بستوی

ضرورت رشتہ

معزز، شیخ، سنی، تحریکی خاندان کا لڑکا، دیندار، تحریکی ذہن کا حامل، تعلیم B.Sc., B.Ed. برسر روزگار، قد "8-'5 کے لئے خوبصورت دراز قد، تعلیم یافتہ، دیندار، معزز خاندان کی لڑکی سے رشتہ درکار ہے۔ مغربی یوپی، اترا کھنڈ کے رشتہ کو ترجیح دی جائے گی۔

Box No. 2849
C/o Sehroza Dawat
Dawat Nagar, D-314,
Abul Fazl Enclave,
Jamia Nagar, New Delhi-25

Millennium Girls School
C.B.S.E. Syllabus
Admission is going on for Session 2009-2010
Nursery to Class Tenth
Bus and Hostel Facility available
Cont. No.: 09835293957, 09234131237
Azad Colony, Pabra Road, Hazaribagh (Jharkhand)

مئو کا بنا تیز اثر دار افضلس نورانی تیل

لیبل و کیپ پر AFZALS اور MAU CITY دیکھ کر خریدیں

بدن کے ہر قسم کے درد، زخم، چوٹ ورم، سردی کے امراض نیز بچوں کی بہت سی بیماریوں مثلاً حلقہ، خفتہ، کھانسی، نزلہ، وزکام وغیرہ میں مجرب و مفید ہے

INDIAN CHEMICAL CO. NEW CHEMICAL CO.
Mau Nath Bhanjan-Mau-275101 (U.P.)

ہماری نئی کتابیں

☆ خاتم النبیینؐ (اردو)	ابراہیم عمادی	70.00
☆ فتح اور غلبے کا قرآنی تصور (اردو)	الاستاذ علی محمد محمد الصلابی	100.00
☆ غلط فہمیوں کا ازالہ (اردو ہندی انگریزی)	ڈاکٹر ذاکر نائک	25.00
☆ Common Questions About Islam	Dr. Zakir Naik	25.00
☆ Concept of God in Major Religions	Dr. Zakir Naik	20.00
☆ Universal Brotherhood	Dr. Zakir Naik	35.00
☆ The Qur'an & Modern science: campatible......	Dr. Zakir Naik	20.00
☆ Similarities between Hinduism & Islam	Dr. Zakir Naik	35.00
☆ The Qur'an & Bible in the light of Science	Dr. Zakir Naik	45.00
☆ Right of women in Islam	Dr. Zakir Naik	35.00
☆ Is the Qur'an WORD OF GOD?	Dr. Zakir Naik	35.00
☆ Non-Veg Permitted or Prohibited	Dr. Zakir Naik	25.00
☆ Focus on Islam	Dr. Zakir Naik	30.00
☆ Hazrat Muhammad & Bhartiya Dharm Grantha	Dr. M. A. Srivastava	25.00
☆ इस्लाम और इंसान (सीरीज़– 1-6)	डॉ. सैयद शाहिद अली	75.00
☆ इस्लाम– कुछ अहम पहलू	अज़हर शमीम	24.00
☆ इस्लाम एक सामान्य परिचय	शैख़ अली तन्तावी	65.00
☆ प्यारे नबी (सल्ल.) की पाक ज़िन्दगी	एजाज़ुल-हक़ क़ुद्दूसी	35.00
☆ जीव-हत्या और पशु-बलि (इस्लाम की नज़र में)	ज़ैनुल-आबिदीन मंसूरी	6.00
☆ पवित्र क़ुरआन में मानवता की शिक्षा	विजय गोपाल मंगल	زیر طبع
☆ दलित समस्या, जड़ में कौन?	इंतिज़ार नईम	100.00

دینی، اصلاحی، دعوتی، اسلامی لٹریچر کے لیے ہم سے رابطہ کریں اور ہماری فہرست کتب مفت طلب فرمائیں۔

مدھر سندیش سنگم

E-20، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 110025

فون نمبر: 011-26953327, 09212567559، ای میل madhursandeshsangam@yahoo.co.in

جموں و کشمیر یتیم خانہ سری نگر

ایک تعارف

یہ ادارہ ★ دو ہوسٹل چلاتا ہے جن میں چار سو یتیم بچے رہتے ہیں ★ یتیموں کے لئے ایک چیریٹیبل ہائر سکنڈری اسکول چلاتا ہے ★ مختلف آبادیوں میں دستکاری کے ساتھ چیریٹیبل مراکز چلاتا ہے ★ چار سو بیواؤں کو ماہانہ امداد دیتا ہے ★ ایک سو معذور افراد کو مالی امداد فراہم کرتا ہے ★ یتیم بچیوں کو مالی امداد دے کر شادی کے لئے ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے ★ تعلیم کے لئے سو یتیم بچیوں کی مدد کرتا ہے ★ ہائیر اور ٹیکنیکل تعلیم کے لئے منتخب شدہ یتیم بچوں کی مالی امداد کرتا ہے ★ غریب، نادار اور محتاج مریضوں کی روزانہ امداد کرتا ہے

اس یتیم خانے کا معائنہ کیجئے

اور ہماری عملی خدمات اپنی آنکھوں سے دیکھئے۔ ہر چیز کھلی ہے، حسابات چیک ہوتے ہیں۔ ۰۹-۲۰۰۸ء کا بجٹ تقریباً دو کروڑ روپے ہے۔ ہم اپنی یہ خدمات بلا لحاظ مذہب و ملت پیش کرتے ہیں۔ بس آخرت میں اچھے اجر کی طلب اور دوزخ سے پناہ مطلوب ہے۔

اپنے عطیات اس نام سے بھیجیں

"J & K YATEEM KHANA, A/C No. SB7378"
JK Bank, Chawri Bazar, Delhi-110006

ایس اے بخاری (چیئرمین)
09419059772

Jammu & Kashmir Yateem Khanah (Orphanage)
Bemina - Chatabal Crossing, Srinagar - 190010
Ph.: 0194 - 2471707, Mob.:09419056249, 09419059133,
Fax:0194-2481056

"جس نے دین میں کسی ایسی چیز کا اضافہ کیا جو اس میں نہیں تھی وہ ناقابل قبول ہے۔" (بخاری ومسلم)

UNIQUE CREATIONS
Specialist in Unipole & Structure Hordings
#4, Building No.29/35, 1st Main, Opp. Masjid-e-Husna,
S.R.K. Garden, Jayanagar East, Bangalore-41
E-mail: uniquecreations2008@gmail.com

تصوف اور سائنس کے موضوع پر ۲ اہم کتابیں

مجددینِ امت اور تصوف ● پروفیسر محمد عبدالحق انصاری

امت کے چار عظیم مجددین، امام غزالیؒ، امام ابن تیمیہؒ، شیخ احمد سرہندیؒ اور شاہ ولی اللہؒ کے ان آرا و افکار کا تحقیقی مطالعہ، جن کا اظہار مجددین نے کتاب وسنت کی روشنی میں تصوف کے مختلف اعمال و افکار کے سلسلے میں کیا ہے۔ فاضل مصنف نے ان مجددین کے اختلاف و اتفاق کی بھی نشان دہی فرمائی ہے اور جس رائے کو بہتر سمجھا ہے اس کا ذکر بھی فرمایا ہے۔

سائز: ۲۳×۳۶/۱۶ صفحات: ۷۲ قیمت: Rs.35/=

حشراتِ قرآنی ● ڈاکٹر شمس الاسلام فاروقی

معروف سائنس داں ڈاکٹر شمس الاسلام فاروقی نے قرآن مجید میں مذکور کیڑوں مکوڑوں کو اپنا موضوع بناتے ہوئے ان کے سلسلے میں اہم معلومات دی ہیں اور یہ بتایا ہے کہ بظاہر حقیر اور بے بضاعت معلوم ہونے والے ان کیڑوں مکوڑوں میں بھی خالق کائنات کی کتنی زبردست حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

سائز: ۲۳×۳۶/۱۶ صفحات: ۹۶ قیمت: Rs.40/=

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵

P.O. Box No. 9752, Jamia Nagar New Delhi-110025
Ph: 26954341, 26971652 Fax : 26947858, 26950975
E-mail: mmipublishers@gmail.com
Website: www. mmipublishers.net